حرف اول

"تازہ دم" محی الدین نواب کی وہ شاہکار کہانی جسے قارئین برسوں بھلا نہ پائیں گے۔ ہمارے معاشرے اور سماج کے زندہ کرداروں کی کہانی جو زندگی کی تلخیوں میں محبت کی مٹھاس بانٹتے ہیں اور نفرت کی آگ بھی بھڑکاتے ہیں' سازشوں کے تانے بانے بھی بنتے ہیں' اتحاد کا درس بھی دیتے ہیں اور عداوتوں کے پہاڑ بھی کھڑے کرتے ہیں جو آبرو کی قیمت بھی لگاتے ہیں اور موت و زندگی کے سوداگر بھی ہوتے ہیں جن کا ظاہر بہت خوبصورت اور باطن بڑا خوفناک ہوتا ہے۔ زیر نظر ناول نواب صاحب کی ان تحریروں میں سے ایک تحریر ہے جسے پڑھتے پڑھتے کہیں بے ساختہ ہونٹوں پر مسکان آئے گی تو کہیں جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر چشم تر ہو جائے گی۔ مصنف نے جس چابک دستی اور جس اسلوب سے کہانی کو حالات اور واقعات کے تناظر میں ڈھالا ہے وہ قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دے گا۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ زیر نظر کہانی کو ملک کے دو فلمسازوں نے بھاری معاوضوں کے عوض حاصل کرنے کی پیشکش کی' مگر نواب صاحب نے یہ کہہ کر پیشکش مسترد کر دی کہ "میں اپنے مداحوں اور قارئین سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آئندہ فلم کے لئے کہانی لکھنے سے پرہیز کروں گا کیونکہ پہلے لکھی گئی کہانیوں کا جو حشر میں نے فلموں میں دیکھا ہے اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں کہانی قارئین کو پڑھنے کے لئے دیدوں تاکہ قارئین میری لکھی گئی کہانی کو اصل روح اور حقیقی طرز تحریر میں پڑھ سکیں۔"

نواب صاحب کا قارئین اور مداحوں سے کیا ہوا وعدہ پورا ہو رہا ہے قارئین گواہ ہیں کہ اگر اس کہانی پر فلم بنائی گئی تو اصل کہانی اور فلمی کہانی کی حقیقت کیا ہوگی۔

قارئین! آپ کے تجسس اور شوق کو بڑھا کر زیادہ دیر آپ کے اور کہانی کے درمیان رہنا نہیں چاہتا۔ آپ کی آراء اور تبصرے کا انتظار رہے گا۔ آئندہ شمارے تک کے لئے اجازت۔ اللہ حافظ

"خالد رشید"

تازہ دم

اگر اس کا نام نازاں نہ ہوتا' تب بھی وہ اپنے بدن کی کائنات پر نازاں رہتی۔ ایسی عمر میں ایسا نیا بدن سب ہی کو ملتا ہے۔ اس میں اترانے کی کوئی بات نہیں تھی لیکن جب کسی لڑکی کو ایک عالم دیکھے تو وہ خود کو عالمی حسینہ سمجھنے لگتی ہے۔

اس کی دوستی آئینے سے تھی وہ آئینے سے پوچھتی تھی۔ "میں کیسی ہوں؟"

"جیسی کوئی نہیں ہے۔"

اس آئینے کی سطح پر اس کا حسن طلوع ہوتا تھا۔ سامنے آتے ہی آئینہ

اسے آغوش میں بھر لیتا تھا۔ اسی آئینے میں اس کی زلفیں سنورتی تھیں۔ اس کا چہرہ ایسی آب و تاب سے نکھرتا تھا کہ جنوں کو پکارتا تھا۔ وہی آئینہ جنوں میں کہتا تھا "انگڑائی نہ لینا' ٹوٹ جاؤں گا۔"

جب وہ تین برس کی تھی اور نرسری میں پڑھنے جاتی تھی' تب ہی سے ایک مسلح باڈی گارڈ ساتھ رہتا تھا۔ پرائمری کلاسوں میں کسی بھی لڑکی کا کوئی باڈی گارڈ نہیں تھا۔ اسکول کی تمام لڑکیاں' تمام ٹیچرز اور میڈیم اس سے مرعوب رہتی تھیں۔ شاہانہ طرز زندگی نے شاہانہ مزاج بنا دیا تھا۔ اس غرور کی بلندی سے سب پستی میں دکھائی دیتے تھے۔

نیچے والوں سے بات کرنے کے لئے سر نیچے جھکانا ہوتا ہے۔ وہ نہ سر جھکاتی تھی' نہ کسی سے بولتی تھی۔ عارضی طور پر کسی لڑکی سے دوستی کرتی تھی۔ پھر اس سے جھگڑا کر لیتی تھی۔

وہ اپنی ماں لاثانی بیگم پر گئی تھی۔ کبھی کوئی ڈش پسند نہ آتی تو وہ پلیٹ اٹھا کر پھینک دیتی تھی۔ جو لباس اتار دیتی' اسے دوبارہ نہیں پہنتی تھی۔ جو ماں کرتی تھی' وہی بیٹی کرتی تھی۔ نئی اور مہنگی کار چند مہینوں میں پرانی لگتی تھی۔ ابھی کمسن تھی گاڑیاں بدلتی تھی۔ ماں تو شوہر بدلتی رہتی تھی۔

لاثانی بیگم اپنے شوہر سر سلیمان شاہ کو دو بار چھوڑ چکی تھی۔ سر سلیمان شاہ اس لحاظ سے خوش نصیب تھا کہ بیوی چھوڑ کر چلی جایا کرتی تھی۔ ورنہ بیویاں پیچھا کب چھوڑتی ہیں؟ یا تو خود قبر میں جا کر یا قبر میں پہنچانے تک وہ جلوے دکھاتی رہتی ہیں' جو پہلے تازہ دم تھے۔ یہ سمجھ ہی نہیں پاتیں کہ

جلوے تازہ دم نہیں رہے انہیں دیکھ کر شوہروں کا دم نکلتا رہتا ہے۔

لاثانی بیگم سر سلیمان جیسے شوہر کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اپنے غرور اور بد مزاجی کے باعث طلاق کا کاغذ ہاتھ میں لے کر نکل جاتی تھی اور جب طلاق لے کر نکلتی تو اپنے سارے بچے سر سلیمان کے پاس چھوڑ کر جاتی اس یقین کامل کے ساتھ کہ آئندہ پھر سر سلیمان کی دلہن اور سابقہ بچوں کی ماں بن کر اسی گھر میں آئے گی۔

نازاں کو اس بات پر بھی ناز تھا کہ اس کی ممی اس کے پاپا سے بازی ہار کر بھی ہمیشہ جیت جاتی تھیں۔ اس نے پہلی بار ماں کو دلہن بنتے نہیں دیکھا تھا۔ دنیا کا کوئی بچہ اپنے ماں باپ کو دولہا دلہن بنتے نہیں دیکھتا لیکن جب وہ بارہ برس کی تھی' تب اس نے اپنی ماں اور باپ کو دوبارہ دولہا دلہن بنتے دیکھا اس نے اور اس کے دوسرے بھائی بہنوں نے بڑی خوشیاں منائی تھیں ان کی ماں نے دوسری بار ان کے باپ کو جیت لیا تھا۔ اس جیت پر جشن منایا گیا تھا۔ ہوتا یہ ہے کہ والدین اپنی تمام اولاد کو ایک دوسرے سے محبت کرتے اور متحد رہتے دیکھنا چاہتے ہیں لیکن یہاں دستور الٹا تھا۔ تمام اولاد اپنی ماں لاثانی بیگم کو اور باپ سر سلیمان کو ایک دوسرے سے محبت کرتے اور متحد دیکھنا چاہتے تھے۔

ایسا کئی گھروں میں ہوتا ہے۔ ماں باپ کے مزاج میں ہم آہنگی نہ ہونے اور آپس میں جھگڑا کرتے رہنے کے باعث گھر تباہ ہو جاتا ہے۔ بچے ماں باپ کے درمیان صلح صفائی کی کوشش کرتے رہتے ہیں لیکن جہاں تعلقات میں

نیک نیتی نہ ہو' وہاں رشتے پائیدار نہیں ہوتے۔ جب نازاں پندرہ برس کی تھی تو سر سلیمان نے پھر لاثانی بیگم کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔

شادی اور طلاق کوئی کھیل تو نہیں ہے کہ ہر سال دو سال میں کھیلا جائے۔ جب ضرورت ہوئی نکاح پڑھا کر لے آئے۔ ضرورت پوری ہوئی تو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا۔ یہ عمل ایک طرف دینی احکامات کی نفی کرتا ہے۔ دوسری طرف گھر کی تباہی اور بچوں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

پھر بچے یہ نہیں چاہتے کہ اپنی ماں جائے اور سوتیلی آئے۔ سوتیلی پھر سوتیلی ہوتی ہے۔ سگی بن کر بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ نازاں اور اس کے بھائی بہنوں کو وہ عیش و آرام نہیں ملتا تھا' جو ان کی ماں کی موجودگی میں ملا کرتا تھا۔ یہ ہوتا تھا کہ کوئی سوتیلی آجاتی تھی۔ اگرچہ وہ بھی نہیں ٹھہرتی تھی۔ سر سلیمان اسے بھی رخصت کر دیا کرتا تھا۔ لیکن وہ جتنی مدت تک رہتی تھی ان تمام بچوں سے ناانصافیاں کرتی رہتی تھی۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ بچوں کے احتجاج پر سر سلیمان دوسری شادی نہیں کرتا تھا۔ ایسے وقت گھر اور زمین جائداد کی ذمہ داریاں منتظم اعلیٰ عبور خاں سنبھالتا تھا۔ یہ اور برا ہوتا تھا۔ باہر کا آدمی گھر کے معاملات میں مداخلت کرتا تھا۔ گھر والوں کے اخراجات پر کنٹرول کرتا تھا اور خود مال بناتا تھا۔

ان حالات میں سر سلیمان کے گھر اور جاگیر کو نقصان پہنچتا رہتا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ صحیح اصولوں پر عمل کرتے ہوئے گھر کو نہ سنبھالا گیا تو گھر رہے گا اور نہ جاگیر۔ لیکن یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنی غلطیوں

کی اصلاح کیسے کی جائے۔ ان کی محدود سوچ یہی کہتی تھی کہ اپنے پھر اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اگر لاثانی بیگم نے اپنی کم فہمی کے باعث ماضی میں نقصان پہنچایا ہے تو آئندہ نہیں پہنچائے گی۔ نازاں نے اپنے باپ سے کہا۔ "پاپا! ممی کی غلطیوں کو معاف کر دیں۔ انہیں گھر میں لے آئیں۔ ورنہ گھر کے ساتھ ہمارا مستقبل بھی تاریک ہو رہا ہے۔ پلیز اپنی اولاد کی خاطر انہیں پھر قبول کر لیں۔"

نازاں کے دوسرے بھائیوں اور بہنوں نے بھی ماں کی بھرپور حمایت کی وہ جو سوتیلے تھے اور دور کے رشتے دار تھے۔ انہوں نے مخالفت کی۔ لیکن حمایت کرنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ سر سلیمان شاہ پھر ایک بار لاثانی بیگم کو اپنی منکوحہ بنا کر گھر لے آیا۔

نازاں کو اس بات پر بھی ناز تھا کہ وہ حسن بے مثال رکھتی ہے۔ اور ایسا کوئی نہیں ہے' جو اس کے حسن کے شایان شان اس کی تمنا کرے وہ جس اونچی سوسائٹی میں رہتی تھی' وہاں اس کے کئی تمنائی تھے۔ جنہیں وہ خود سے کمتر سمجھتی تھی۔ ان میں سے کئی اچھے تھے۔ مگر کوئی اس کی آنکھ میں نہیں سماتا تھا۔ وہ اپنی ماں کی طرح چاہتی تھی کہ کوئی سر سلیمان کی طرح بے انتہا دولت مند ہو۔ مگر زیادہ غیرت مند نہ ہو۔ اگر بیوی طلاق لے کر دوسرے مرد کے پاس حلالہ کے مرحلے سے گزر جائے تو اسے غیرت نہ آئے۔ پھر وہ حلالہ کو دوسری بار پوری بے غیرتی سے نکاح میں قبول کر لے۔

جن والدین کا کردار مثبت نہیں ہوتا' ان کے بچے ایسے ہی منفی کردار

کے حامل ہوتے ہیں جیسی نازاں تھی۔ اسے اب شادی کر لینا چاہئے تھا۔ مگر نہیں کر رہی تھی۔ کوئی آئیڈیل نہیں مل رہا تھا۔

جب انتظار ہو اور آئیڈیل نہ ملے تو بدن میں جذبات کا دھواں بھرتا رہتا ہے۔ یہ اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ وہ غبارہ بدن اپنے آنگن سے اڑ جائے گی یا کوئی اڑا لے جائے گا۔ اب تو آئینہ بھی گھبرا کر کہتا تھا۔ "میں کب تک تمہیں سنبھالوں' کسی اور کو سنبھالنے دو۔"

ایسی عمر میں دن بڑے ہوتے ہیں۔ کاٹے نہیں کٹتے۔ راتیں لمبی ہوتی ہیں۔ کروٹیں بدلتے بدلتے بستر کی چادر پر کنواری شکنیں پڑتی رہتی ہیں۔ ایک رات ایسی ہی شکن آلود بستر پر وہ سو رہی تھی۔ ایک آئیڈیل کو خواب میں دیکھ رہی تھی۔ جب کوئی سیدھے راستے سے نہ آئے تو چور راستوں سے آتا ہے اور وہ آ رہا تھا۔

اس محل نما کوٹھی کا احاطہ بھی وسیع و عریض تھا۔ بڑے سے آہنی گیٹ پر مسلح پہریدار رہتے تھے۔ دو سیکورٹی گارڈ وقفہ وقفہ سے کوٹھی کے چاروں طرف چکر لگاتے رہتے تھے۔ وہ معلومات حاصل کر چکا تھا کہ سیکورٹی گارڈز صبح تک کس طریقہ کار کے مطابق پہرہ دیتے ہیں۔ اس نے ایک ملازم کو رشوت دے کر اس وسیع و عریض کوٹھی کا اندرونی نقشہ معلوم کیا تھا کہ کن راستوں سے گزر کر نازاں کی خوابگاہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

صرف اتنا ہی نہیں' ملازم نے نازاں کی خواب گاہ سے ایک چابی چرا کر اسے دی تھی۔ وہ رات کو دروازہ اندر سے لاک کر کے سوتی تھی۔ اس

دروازے کو باہر سے اسی چابی کے ذریعہ کھولا جا سکتا تھا۔

رات کے ایک بجے دو سیکورٹی گارڈز کوٹھی کے پچھلے حصے سے گزرتے ہوئے اگلے حصے کی طرف جانے لگے۔ اب وہ پندرہ منٹ کے بعد دوسرا چکر لگانے کے لئے ادھر سے گزرنے والے تھے۔ وہ جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہوئے' وہ احاطے کی دیوار پھاند کر اندر آگیا۔

پورے چاند کی رات تھی۔ حد نظر تک چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آسانی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن وہاں پندرہ منٹ تک اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ جھک کر دوڑتا ہوا کوٹھی کے پیچھے کچن کے دروازے کے پاس آیا۔ ملازم نے کہا تھا کہ کچن کا پچھلا دروازہ کھلا رہے گا۔ اس نے اسے ہاتھ لگایا' تو وہ کھلتا چلا گیا۔

وہ فوراً ہی اندر آگیا۔ دروازے کو اندر سے بند کر کے کچن کا جائزہ لینے لگا۔ وہ نقشہ یاد کرنے لگا کہ اسے آگے بڑھ کر کن راستوں سے گزرنا ہے۔ وہ بارگاہ حسن تک رسائی حاصل کرنے کا آموختہ پڑھ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ کچن کے دوسرے کھلے ہوئے دروازے سے ڈائننگ روم میں پہنچا پھر ایک ہال نما ڈرائنگ روم میں آیا۔ ڈائننگ اور ڈرائنگ روم کے درمیان ایک زینہ تھا۔ وہ زینے چڑھ کر اوپر جانا چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی زینے کے قریبی دروازے سے باتیں کرتا آ رہا تھا۔

اس نے ٹھٹھک کر ادھر ادھر چھپنے کی جگہ دیکھی۔ وہ کہیں بھی چھپنے کے

لئے دوڑ کر جاتا تو نظروں میں آجاتا۔ کیونکہ آنے والوں کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ بالکل قریب ہیں۔ اور اب ان سے سامنا ہونے ہی والا ہے۔

وہ چھلانگ مار کے زینے کے نچلے حصے میں گیا۔ وہاں قدرے تاریکی تھی۔ چھپنے کی جگہ مل گئی۔

آنے والوں میں ایک جوان عورت تھی اور ایک جوان نشے میں اس کا سہارا لئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔ نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہہ رہا تھا۔ "شینا باجی! تم میری بہت اچھی بہن ہو۔ اگر تم نہ ہوتیں تو میں اس محل پر اور جاگیر پر تھوک کر چلا جاتا۔ کیا باپ ایسے ہوتے ہیں؟ کیا نام ہے اس باپ کا؟ لو میں باپ کا نام بھول گیا۔ کیا چوپٹ سا نام ہے اس کا؟"

شینا نے کہا۔ "سلیمان شاہ۔ ڈیڈی کا نام سلیمان شاہ ہے۔ تم نشے میں بھول رہے ہو۔ اتنی کیوں پی لیتے ہو؟"

"باجی! مجھے تمہارا نام یاد ہے شینا۔ مجھے ممی کا نام یاد ہے لاثانی بیگم۔ لیکن باپ کا نام یاد نہیں ہے۔ کیا باپ ایسے ہوتے ہیں؟ میں جانا چاہتا ہوں اوپر وہ مجھے نیچے کھینچ لیتا ہے۔"

"میں اپنے بھائی کو بہت اونچے مقام تک لے جاؤں گی۔ چلو کچن میں آؤ۔ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاؤں گی۔"

وہ کچن کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ زینے کے نیچے تاریکی سے اس شرابی کو دیکھ رہا تھا۔ دراصل وہی شرابی اس کا دشمن تھا۔ اس محل میں داخل ہو کر' اسے دشمن سے انتقام لینا چاہئے تھا لیکن وہ انتقام کا راستہ بدل

کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ اور دشمن کو سامنے دیکھ کر غصے سے مٹھیاں بھی بھینچ رہا تھا۔

اس نے شینا سے کہا۔ "نہیں باجی! میں اس باپ کے گھر کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"خرم! یہ ہماری ماں کا بھی گھر ہے۔ چلو آؤ کچن میں۔"

خرم اپنی بہن کا سہارا لے کر کچن میں داخل ہوا۔ ایسے ہی وقت وہ زینے کے نچلے حصے سے نکل کر تاریکی سے باہر آیا۔ اسے یہ خیال نہیں رہا کہ زینے پر جو لائٹ ہے' اس کے سامنے سے گزرتے وقت سایہ دور تک جا سکتا ہے۔ اس کا سایہ بھی کچن کے اندر تک گیا۔ اسی لمحے میں خرم لڑکھڑاتے وقت جھکا تو زمین پر سے سایہ گزرتا ہوا نظر آیا۔ اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ وہ زینے پر چھلانگیں لگاتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ خرم نے اس کی پوری ایک جھلک دیکھ لی۔ ڈانٹ کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

وہ زینے کے اوپر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ خرم لڑکھڑاتا ہوا کچن سے باہر آتے وقت فرش پر گر پڑا۔ کہنے لگا۔ "باجی! وہ ادھر اوپر کوئی بھاگتا ہوا گیا ہے۔"

وہ اسے اٹھنے کا سہارا دیتے ہوئے بولی۔ "کوئی نہیں ہے۔ تم اتنی کیوں پی لیتے ہو؟"

"باجی! میں نے پی ہے۔ مگر مدہوش نہیں ہوں۔ میں نے ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کوئی اوپر گیا ہے۔"

وہ اٹھ کر ڈگمگاتا ہوا سوئچ بورڈ کی طرف جاتا ہوا بولا۔ "خطرے کا الارم بجاؤ۔ میرے کمرے سے گن لے کر آؤ۔ جلدی کرو۔"

اس نے سوئچ بورڈ کے پاس پہنچتے ہی ایک بٹن کو دبایا۔ یکبارگی کوٹھی کے اندر اور باہر خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ وہ کوٹھی سوئی ہوئی تھی' یکلخت جاگ گئی۔ بچوں سے لے کر بوڑھے تک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ پھر اندر اور باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ باہر چاروں طرف گن مین پوزیشن لے چکے تھے۔ سیکورٹی افسر دروازے پر دستک دیتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "پلیز دروازہ کھولیں۔ خطرے کی نوعیت بتایئے۔ ہم حاضر ہیں۔ دروازہ کھولیں۔"

ابھی کسی کو خطرے کی نوعیت کا علم نہیں تھا۔ مگر ہونے والا تھا وہ خطرہ پیدا کرنے والا' نیندیں اڑانے والا نرغے میں آ رہا تھا۔

❑*❑

لاثانی بیگم قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ حسن خواہ ڈھل چکا ہو' پھر بھی عورت آئینے میں دیکھتی ہے اور عمر رفتہ کو آواز دیتی ہے لیکن اس وقت لاثانی بیگم آئینے میں سر سلیمان شاہ کو دیکھ رہی تھی' جو غصہ میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

ٹہلنے سے' خود کو زحمت دینے سے غصہ کم ہوتا ہے۔ وہ بھی غصہ پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ آئینے کی طرف سے پلٹ کر بولی۔ "غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ لیکن آپ تو رائی کا پربت بنا رہے ہیں۔"

وہ ایک جگہ رک کر بولا۔ "ہاں غلطی انسان سے ہوتی ہے مگر تم انسان نہیں ہو۔ غلطیوں کا پہاڑ ہو۔ آئندہ بھی ان غلطیوں کا پہاڑہ پڑھتی جاؤ گی اور

غلطیوں کے پہاڑ پر پہاڑ کھڑی کرتی جاؤ گی۔ جب تم پہلی بار میری شریک حیات بن کر آئیں' تب سے ایسی حرکتیں کر رہی ہو' جن سے مجھے کسی نہ کسی طور نقصان پہنچتا رہا۔ میں تمہیں طلاق دے کر اپنا نقصان پورا کرتا رہا۔ اور تم دوسری شادی کر کے دوسرے کے ساتھ عیش کرتی رہیں۔"

"مجھے الزام نہ دیں۔ میں آپ کی محبت میں دیوانی رہتی ہوں۔ آپ کے دوبارہ شریک حیات بننے کے لئے میں نے دوسرے سے شادی کی تھی اور شادی سے پہلے اس سے طلاق نامہ لکھوا لیا تھا۔ ایسا نہ کرتی تو وہ مجھے کبھی نہ چھوڑتا۔"

"شرم کرو۔ وہ شادی تو نہ ہوئی تم نے جو کیا وہ شریعت کے خلاف کیا۔ بے حیائی کی۔ گناہ کیا۔"

"جو کیا آپ کی محبت میں پاگل ہو کر کیا اور پاگلوں کا ہر گناہ قابل معافی ہوتا ہے۔ آپ میری مکاری دیکھ رہے ہیں۔ میرے عشق کی انتہا دیکھیں' میں آپ کے قدموں میں رہنے کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

"تم قدموں میں رہنے آتی ہو اور میری ٹانگ کھینچ لیتی ہو۔ میں مالک و مختار ہو کر اپنی زمین پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ تم دوسری بار بیوی بن کر آئیں اور اس بار بھی میرا بینک بیلنس تقریباً خالی کر دیا۔"

"آپ کے خزانے سے جو بھی رقم نکالی وہ آپ کی اولاد پر خرچ کی ہے۔"

"اپنی اولاد پر کہو۔ میری اولاد تو دوسری بیویوں سے بھی ہے۔ تم نے

ان کے حقوق پامال کرنے اور انہیں مشکلات میں مبتلا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"جب وہ آپ کی دوسری بیوی میری جگہ آتی ہے تو وہ بھی میری اولاد کے حقوق پامال کرتی ہے۔"

"وہ غلطیاں کرنے والی اپنا انجام دیکھ رہی ہے۔ تم اپنی مکاریوں کا حساب دو۔ تم نے پچاس پچاس لاکھ روپے کے دو چیک کیش کرائے' اس پر میرے دستخط نہیں تھے۔"

"آپ ہی کے دستخط تھے۔ آپ ان پر سائن کرتے وقت پی رہے تھے۔"

"جھوٹ مت بولو۔ میں پینے کے دوران کبھی کسی چیک پر یا کسی اہم دستاویز پر دستخط نہیں کرتا ہوں۔ تم نے میری چیک بک سے دو چیک چرائے۔ تمہارا بڑا بیٹا پکا جعلساز ہے۔ تم ماں بیٹے نے بڑی آسانی سے ایک کروڑ روپے نکال لئے۔ تمہارے ضمیر نے شوہر کو لوٹتے وقت ذرا بھی ملامت نہیں کی؟"

"میں آپ کو دل چیر کر نہیں دکھا سکتی کہ میرا ضمیر کس طرح ملامت کر رہا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ اس گھر میں پھر تمہارا آخری وقت آچکا ہے۔ میں تمہیں تین دنوں کی مہلت دے رہا ہوں۔ ان تین دنوں کے اندر وہ ایک کروڑ روپے میرے اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرو گی تو تیسری رات میں تمہیں

طلاق دے کر گھر سے نکال دوں گا۔"

"آپ کی بے انتہا دولت کے آگے ایک کروڑ روپے تو ایک پیسے کے برابر ہیں۔ آپ اس حقیر رقم کی خاطر ایسی ہیرا بیوی کو چھوڑنا چاہتے ہیں؟"

"آدمی ہیرا نگل لے تو مر جاتا ہے۔ میری ہیرا بائی! تم میرے حلق میں پھنسی ہوئی ہو۔ میں تمہیں نگلنے کی غلطی کرنے سے پہلے تھوک دینا چاہتا ہوں۔ اگر تم ایسا نہیں چاہتی ہو تو تین دنوں کے اندر وہی کرو' جو کہہ رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جانا چاہتا تھا۔ پھر ٹھٹک گیا۔ اچانک خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ کوٹھی کے اندر اور باہر کئی جگہ گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کی مشترکہ آواز رات کے سناٹے میں گونج رہی تھی۔ سر سلیمان شاہ نے لپک کر دیوار سے لٹکی ہوئی رائفل لی۔ تیزی سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ پھر اسے کھول کر باہر جھانکتے ہوئے بولا۔ "کیا بات ہے؟ الارم کیوں بج رہا ہے؟"

ایک سیکورٹی گارڈ نے نیچے سے کہا۔ "جناب عالی! ہم نہیں جانتے۔ کوٹھی کے اندر الارم کا سوئچ آن کیا گیا ہے۔ شاید اندر کوئی خطرہ ہے۔ آپ سے درخواست ہے' کمرے سے باہر نہ نکلیں۔ پہلے ہم اندر آ کر حالات پر قابو پائیں گے؟"

سر سلیمان نے کھڑکی بند کرتے ہوئے کہا۔ "کمرے سے باہر کیوں نہ جاؤں؟ یہاں میرے بچے ہیں کیا میں منہ چھپا کر بیٹھا رہوں گا؟ ہرگز

نہیں۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔ کوٹھی کے دوسرے حصوں سے بولنے کی آوازیں اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ باہر سے سیکورٹی افسر دروازہ کھولنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ شینا نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ادھر سے سر سلیمان ہاتھوں میں رائفل اٹھائے لاثانی بیگم کے ساتھ آیا۔ شینا نے کہا "ہماری کوٹھی کے اندر کوئی ہے۔ خرم نے اسے دیکھا ہے۔ آپ گارڈز سے کہیں اوپر جا کر اسے پکڑیں۔"

سر سلیمان نے کہا۔ "یہ نشے میں ہے۔ اس نے دیکھا۔ تم ہوش میں ہو۔ تم نے نہیں دیکھا۔ اس الو کی پٹائی پر کس حد تک بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟"

"لینگوج پلیز پاپا! میں نے ضرور پی ہے۔ لیکن نشے میں نہیں ہوں۔ یہاں سب کو دیکھ رہا ہوں اور پہچان رہا ہوں۔"

لاثانی بیگم نے کہا۔ "اوپر کمروں میں جوان بیٹیاں سو رہی ہیں۔ آپ گارڈز کے ساتھ جائیں۔"

"ہم اوپر سے آ رہے ہیں۔ ہمیں تو کوئی نظر نہیں آیا۔"

اسی وقت اوپر سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں نیچے آ رہی تھیں۔ لاثانی بیگم نے اس بیٹے سے پوچھا۔ "ظفر! تم نے اوپر کسی اجنبی کو دیکھا ہے؟"

ظفر نے کہا۔ "نہیں ممی! ہم سب اوپر سے آ رہے ہیں۔ ہم نے کسی کو

نہیں دیکھا ہے۔ بائی داوے بات کیا ہے؟؟"
"تمہارے بڑے بھائی نے کسی کو اوپر کی طرف جاتے دیکھا ہے۔"
ظفر نے خرم کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں پوچھا۔ "کیا یہ ایسی حالت میں دیکھ لیتے ہیں۔ کیوں بھائی جان! یہ کتنی انگلیاں ہیں؟؟"
وہ خرم کی آنکھوں کے سامنے انگلیاں لہرانے لگا۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "بڑے بھائی کا مذاق اڑاتے ہو شرم نہیں آتی؟ خرم نے ضرور کسی کو دیکھا ہے۔ یہاں سب موجود ہیں۔ لیکن نازاں نہیں ہے۔ جلدی اوپر جاؤ۔ کوئی چور اس کے کمرے میں نہ گھسا ہو۔"
اس ہنگامے میں سب نازاں کو بھولے ہوئے تھے۔ اس کا خیال آتے ہی سر سلیمان شاہ کے پیچھے سیکورٹی افسر اور گارڈز زینہ چڑھتے ہوئے اوپر جانے لگے ان سب کے قدموں کی آوازوں سے فرش پر جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔
سر سلیمان نازاں کے کمرے کے سامنے آکر رک گیا۔ دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کر گھمایا۔ اسے دھکا دیا تو پتہ چلا' وہ اندر سے لاک ہے۔ لاثانی بیگم نے کہا۔ "یہ لڑکی گھوڑے بیچ کر سوتی ہے۔ شور سن کر پوری دنیا جاگ گئی مگر یہ قیامت کی نیند سو رہی ہے۔"
اس نے دروازے پر دستک دی۔ باپ نے کہا۔ "کیوں اسے جگا رہی ہو؟ دروازہ اندر سے لاکڈ ہے۔ کوئی چور باہر سے کھول کر اندر نہیں گیا ہوگا۔"

ظفر نے کہا۔ "پاپا! آپ درست کہتے ہیں۔ نازاں ہمیشہ اندر سے لاک کر کے سوتی ہے۔ پھر بھی ہمیں اطمینان حاصل کرنا چاہئے۔"
وہ ایک گارڈ کی مدد سے میز اٹھا کر لے آیا۔ اسے روشندان کے پاس دیوار سے لگا کر رکھا۔ پھر اپنی ایک بہن سے کہا۔ "فرح! اس پر چڑھ کر دیکھو' وہ خیریت سے تو ہے؟"
فرح اس کے سہارے میز پر چڑھ گئی۔ روشندان سے جھانک کر دیکھا۔ وہ بیڈ پر نظر آرہی تھی۔ گہری نیند سو رہی تھی۔ فرح نے روشندان سے پلٹ کر کہا۔ "کمال ہے۔ نازاں باجی تو گہری نیند سونے کا ریکارڈ بریک کر رہی ہیں۔ ہم دروازہ توڑ کر اندر جائیں گے' تب بھی ان کی نیند کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"
دوسرے گارڈز اس اوپری منزل میں ہر طرف دیکھ چکے تھے۔ چھت پر جا کر بھی دیکھ آئے تھے۔ کوٹھی کے اندر کوئی چور نہیں تھا۔
سر سلیمان نے سیکورٹی افسر اور تمام گارڈز کو باہر جانے کا حکم دیا۔ جب وہ چلے گئے تو اس نے لاثانی بیگم کو گھور کر کہا۔ "کمال کا بیٹا پیدا کیا ہے۔ تھوڑی سی شراب اس کی آنکھوں میں ڈال دو۔ پھر اسے ایک نہیں ایک درجن چور نظر آئیں گے۔ لعنت ہے' ایسی اولاد پر۔"
وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں بولی۔ "دیکھیں میرے جوان بچے پر لعنت نہ بھیجیں۔ کیا آپ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں؟! ابھی مجھے طلاق کی دھمکی دے رہے تھے۔ اب بیٹے پر لعنت بھیج رہے ہیں۔"

وہ اپنے جوان بیٹے اور بیٹیوں سے مخاطب ہو کر بولی۔ "پوچھو اپنے باپ سے' جب طلاق ہی دینا تھی تو تیسری بار کیوں شادی کی تھی طلاق ایک گالی ہے۔ کیا تم چاہو گے کہ تمہاری ماں کو یہ گالی دی جائے؟"
ایک بیٹی نے کہا۔ "ہرگز نہیں۔"
دوسری بیٹی نے کہا۔ "پلیز پاپا! آپ ممی پر ایسا ظلم نہ کریں۔"
بیٹے نے کہا۔ "پاپا! اب آپ کی عمر شادی کرنے کی رہی' نہ طلاق دینے کی کچھ تو سوچیں' دنیا مذاق اڑائے گی۔"
سر سلیمان نے کہا۔ "ہمارا مذاق بہت پہلے سے اڑایا جارہا ہے۔ تھوڑا مذاق اور اڑایا جائے تو' کوئی بات نہیں۔ میں نے تمہاری ممی کو وارننگ دی ہے۔ اگر اس نے تین دنوں کے اندر میرے اکاؤنٹ میں ایک کروڑ روپے جمع نہ کئے تو میں اسے طلاق دیدوں گا۔"
ظفر نے حیرانی سے پوچھا۔ "ایک کروڑ روپے؟"
"ہاں تمہاری ماں اور خرم نے جعلی دستخط کے ذریعہ میرے اکاؤنٹ سے ایک کروڑ روپے نکالے ہیں۔ پوچھو اس سے۔"
بیٹے اور بیٹیوں نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔ فرح نے کہا۔ "ممی! آپ نے اتنا بڑا فراڈ کیا اور ہمیں خبر نہیں ہونے دی۔"
ظفر نے کہا۔ "آپ بھائی جان اور نازاں کو سر پر چڑھاتی رہتی ہیں اور ہمیں سوتیلی اولاد سمجھتی ہیں۔"
لاثانی بیگم نے کہا۔ "بکواس نہ کرو۔ میں جو کرتی ہوں' تم سب کی

بھلائی کے لئے کرتی ہوں۔"
"بھلائی کرتی ہیں تو کہاں ہیں وہ ایک کروڑ روپے؟ کیا وہ بھائی جان کے ہاتھ لگنے کے بعد ہمیں ملیں گے؟"
"رہنے دیں ممی! وہ رقم ہمیں ملے گی' نہ آپ کو۔ اور اگر وہ رقم آپ کو مل جائے تو آپ اپنی عزت رکھ لیں۔ طلاق کی گالی نہ کھائیں۔"
بیٹا غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ فرح نے کہا۔ "ممی! ان حالات میں اگر طلاق ہوگی تو ہم پاپا سے احتجاج نہیں کریں گے کیونکہ اپنی بدنصیبی کی آپ ذمہ دار ہیں۔"
تینوں بیٹیاں بھی منہ پھیر کر اپنے کمروں کی طرف چلی گئیں۔ سر سلیمان نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا زینے سے اترتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں خرم ایک صوفہ پر آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا اور خراٹے لے رہا تھا۔ شینا اس کا سر سہلا رہی تھی۔
سر سلیمان نے پلٹ کر پیچھے آنے والی بیگم کو دیکھا۔ پر غصہ سے کہا۔ "یہ مردود ہم سب کی نیندیں حرام کر کے خراٹے لے رہا ہے۔ اے کتے! چل اٹھ۔"
اس نے آگے بڑھ کر رائفل کا کندا اسکے شانے پر مارا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ نشے میں بولا۔ "اے کون ہے؟ پکڑو چور ہے۔ چور ہے۔"
لاثانی بیگم نے بیٹے سے لپٹ کر شوہر سے کہا۔ "کیا جوان بیٹے کو اس طرح مارتے ہیں؟ اپنی بزرگی کا بھرم رکھیں۔ اگر بیٹے کا ہاتھ اٹھے گا تو کیا

ہوگا؟ کیا عزت رہ جائے گی آپ کی؟؟"
"تم سب نے میری عزت ہی کیا رہنے دی ہے۔ میں تین دنوں تک صبر کروں گا۔ پھر تمہارے ساتھ تمہاری ساری اولادیں بھی یہاں سے جائیں گی۔"
خرم نے نشے میں جھوم کر باپ کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "ممی! میں جانا چاہتا ہوں اوپر' یہ مجھے نیچے کھینچ لیتا ہے۔"
ماں نے کہا۔ "فکر نہ کرو بیٹے! میں تمہیں اونچے سے اونچے مقام تک پہنچاؤں گی۔"
سر سلیمان نے کہا۔ "تم زحمت نہ کرو۔ اس کے اعمال اسے اوپر لے جائیں گے پھر یہ کبھی نیچے نہیں آسکے گا۔"
یہ کہہ کر وہ پھر زینے پر چڑھتا ہوا اوپر اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگا۔ لاثانی بیگم نے کہا۔ "میرا بیٹا اونچا مقام حاصل کرنے کی بات کرتا ہے اور آپ نحوست والی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ باپ ہیں یا دشمن؟"
خرم نے جھومتے ہوئے کہا۔ "یہ باپ ہے؟ کیا نام ہے اس کا؟ لو میں پھر بھول گیا۔ ممی! دراصل آپ نے اتنی شادیاں کی ہیں کہ مجھے باپوں کے نام یاد نہیں رہتے۔"
ماں نے غصے سے کہا۔ "کیا بکتا ہے۔ پینے کے بعد تو تیری کھوپڑی الٹ جاتی ہے۔ چل جا کے سوجا۔ شینا! اسے کمرے میں پہنچا دے۔"
لاثانی بیگم اٹھ کر زینے کے پاس آئی۔ پھر اپنے اس بیڈ روم کی طرف

جانے لگی' جو آخری تین راتوں کے لئے اس کے نام تھا۔ اس کے بعد کوئی دوسری آنے والی تھی۔

❑❋❑

شرابی خواہ کتنا ہی سچ بولے' وہ جھوٹا ہی کہلاتا ہے۔ لیکن اس چھپنے والے کے لئے وہ شرابی خرم سچا تھا۔ اس نے واقعی اسے دیکھا تھا۔ اور خطرے کی گھنٹیاں بجانے کی بات کر رہا تھا۔ وہ خود کو بچانے اور چھپنے کے لئے دوڑتا ہوا اوپری منزل میں آیا تھا۔ کوٹھی کے اندر اور باہر خطرے کی اطلاع پہنچنے سے پہلے اسے کہیں نہ کہیں چھپنا تھا۔ اور چھپنے کی ایک ہی جگہ تھی۔
وہ جیب سے چابی نکالتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔ اسے کھول کر جیسے ہی اندر پہنچا' خطرے کا الارم رات کے سناٹے میں گونجنے لگا۔ اس نے فوراً دروازے کو اندر سے لاک کیا۔ پھر فرش پر گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا بیڈ کے پاس آیا۔ بیڈ پر صرف ایک نظر ڈالی۔ اتنا معلوم ہوا کہ کوئی سو رہی ہے۔ اور

کسی لمحہ میں بھی بیدار ہو سکتی ہے۔ آنکھیں کھول کر اسے دیکھتے ہی چیخیں مار سکتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر رینگتا ہوا بیڈ کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔
اس وقت تک کوٹھی کے اندر کئی جگہ سے بولنے اور ادھر سے ادھر دوڑنے کی آوازیں آتی رہیں۔ پہلے کئی افراد نیچے ڈرائنگ روم میں گئے۔ پھر وہاں سے اوپر نازاں کے کمرے کے سامنے آئے۔ وہ بیڈ کے نیچے چھپا ہوا ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ دروازے پر دستک دینے اور نازاں کو جگانے کی باتیں کر رہے تھے۔ کچھ اس پر اعتراض کر رہے تھے۔ پھر اس نے بیڈ کے نیچے سے ایک لڑکی کی آواز سنی۔ لڑکی نے روشندان سے جھانک کر اندر دیکھا تھا اور باہر والوں سے کہہ رہی تھی کہ نازاں گہری نیند سو رہی ہے۔
نازاں کی خواب گاہ کا دروازہ اندر سے لاکڈ تھا۔ وہ محفوظ تھی اور خطرے کی گھنٹی سے بے نیاز ہو کر سو رہی تھی۔ اس لئے سب لوگ مطمئن ہو کر چلے گئے۔
وہ بیڈ کے نیچے لیٹے لیٹے بیزار ہو گیا تھا۔ اب وہ نیچے سے نکل آنا چاہتا تھا۔ لیکن رات کے سناٹے اور خاموشی میں دور ڈرائنگ روم سے لاثانی بیگم اور سر سلیمان کی دھیمی دھیمی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ مزید آدھے گھنٹے تک وہاں پڑا رہا۔
پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ یہ رات کا وہ حصہ تھا جب لوگ گہری نیند سوتے ہیں۔ وہاں کے تمام مکین بھی سو گئے تھے۔ وہ بیڈ کے نیچے سے کروٹ

بدل کر باہر آگیا۔ فرش پر لیٹے ہی لیٹے اس کے بیڈ پر دیکھا۔ سونے والی کے جسم کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا۔ وہ ثابت کر رہی تھی کہ وہ قیامت کی نیند سونے کی عادی ہے۔
وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔ کھڑے ہونے سے وہ حسن مجسم نظر آیا۔ وہ سر سے پاؤں تک نیند کی مستی میں مست مست پڑی تھی۔ اس بات سے بے خبر تھی کہ خلوت میں ہے' یا کسی کی جلوت میں خوابیدہ حسن کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔
وہ دم بخود ہو کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ سو رہی تھی۔' اس کا چاندی جیسا بدن جاگ رہا تھا۔ ہر سانس پر لرزتا اور پکارتا ہوا سا لگ رہا تھا۔ وہ خوابوں والی خاموش تھی' مگر خوابیدہ جوانی بولتی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ عجب احساسات تھے۔ وہ نیند والی کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔ لیکن بدن کے طلسمات میں شور بپا تھا۔
وہ سحر زدہ سا ہو کر اس کے قریب آیا۔ خواب گاہ حسن میں مقدر سے باریابی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ حسن کا نظارہ کرنے نہیں' اس سے انتقام لینے آیا تھا۔ پہلے صرف سنا تھا کہ وہ غضب کی حسین ہے۔ ہاں سنا تھا دیکھا نہیں تھا۔ اب دیکھا تو دشمنی بھول گیا۔ نظارہ حسن میں اتنی گرمی تھی کہ انتقامی جذبے سرد پڑ گئے تھے۔ اسے دیکھ دیکھ کر دل کہہ رہا تھا' جینے کی عمر اب شروع ہوئی ہے۔
دراصل دشمنی اس کے بھائی خرم سے تھی۔ خرم اپنی ماں لاثانی بیگم

کے تعاون سے دولت اور زمین جائیداد حاصل کرتا تھا۔ دونوں ماں بیٹے سر سلیمان شاہ سے فراڈ کرتے رہتے تھے۔ یہ تو ان کے خاندانی معاملات تھے۔ لیکن خاندان سے باہر وہ حسن پرست تھا۔ ہوسناک شکاری تھا۔ ماں اس کی عیاشیوں پر پردہ ڈالتی ہے۔ باپ اس سے نالاں رہتا تھا۔ جب کبھی اس سلسلے میں شکایت موصول ہوتی' وہ اس مظلوم لڑکی کے گھر پہنچ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتا۔ اس کے سرپرستوں کو ایک بڑی رقم دے کر اس لڑکی کی کہیں شادی کرا دیتا تھا۔
جن کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ ایسا ہوتا تھا' وہ سب سر سلیمان کی جاگیر میں رہتے تھے۔ کھیتوں اور کھلیانوں میں مزدوری کرتے تھے گوداموں اور منڈیوں میں ملازمت کرتے تھے۔ اس طرح وہ سب سر سلیمان کی رعایا کہلاتے تھے۔ رعایا سر اٹھا کر فریاد نہیں کرتی۔ مالک کے ہر فیصلے کے آگے سر جھکا لیتی ہے۔ پھر جوان بیٹی یا بہن کا معاملہ ہو تو رسوائیوں سے بچنے کے لئے خاموش رہنا ہی دانشمندی سمجھی جاتی ہے۔
پہلی بار ایسا ہوا کہ رعایا کا وہ جوان باغی ہو گیا۔ احمد یار سیال نے فیصل آباد کی زرعی یونیورسٹی سے زراعت کے شعبہ میں مہارت حاصل کی تھی جب وہ تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے پنڈ آیا تو گھر کی فضا ماتمی تھی۔ بوڑھے ماں باپ کے سر جھکے ہوئے تھے اور جوان بہن ایک کمرے میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔
باپ نے اپنی پگڑی کے شملے میں منہ چھپا کر کہا۔ "وڈا شاہ ادھر شکار

کھیلنے آیا تھا۔ اس نے تیری بہن کو دیکھ لیا۔ رات کچھ لوگ منہ پر ڈھاٹا باندھ کر آئے۔ ہمیں منجیوں سے باندھ دیا۔ پھر رانو کو اٹھا کر لے گئے۔"
یار سیال نے کہا۔ "منہ پر ڈھاٹا باندھنے سے کیا ہوتا ہے؟ یہ سب جانتے ہیں کہ شاہ کی جاگیر میں ڈاکو لٹیرے باہر سے نہیں آتے ہیں۔ وڈا شاہ کہلانے والا خرم ایسی واردات کرتا ہے۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے زخم لگا لگا کر تڑپا تڑپا کر قتل کروں گا۔"
وہ اٹھ کر جانا چاہتا تھا۔ باپ نے پکڑ لیا۔ "بیٹے! جوش میں آؤ گے تو ہماری ہی بدنامی ہوگی۔ اس ظالم کو قتل کرو گے تو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ صرف انتقامی کارروائی ہوگی۔ اس کی موت کے بعد رانو بدنام ہی رہے گی۔"
"اور وہ عیاش' بدمعاش زندہ رہا تب بھی بدنامی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ اس ذلیل' کمینے کو زندہ نہیں رہنا چاہئے۔"
"میں تمہیں سمجھا رہا ہوں' جوش میں نہ آؤ۔ سر سلیمان شاہ سے ہماری بات ہونے والی ہے۔ انہوں نے کل ہمیں لاہور والے دفتر میں بلایا ہے۔"
یار سیال دوسرے دن باپ کے ساتھ لاہور والے دفتر میں آیا۔ دفتر بڑا شاہانہ طرز کا تھا۔ فرش پر قالین بچھے ہوئے تھے۔ ہر جگہ ایئر کنڈیشنر لگے ہوئے تھے۔ تمام چپراسی وردی میں رہتے تھے۔ اس دفتر میں قدم رکھتے ہی چھوٹے لوگ خود کو اور چھوٹا محسوس کرنے لگتے تھے۔
انہیں سر سلیمان سے ملنے کے لئے انتظار گاہ میں گھنٹوں بیٹھنا پڑا۔

یار سیال نے تلملا کر کہا۔ "یہ بڑے لوگ اس طرح ہمیں دروازے پر بٹھا کر یہ سمجھاتے ہیں کہ ہماری عزت کا مسئلہ کوئی بین الاقوامی مسئلہ نہیں ہے۔ ہم یہاں بیٹھے رہیں۔ وہ کسی وقت بھی حل کر دیں گے۔ یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ ہر غریب کی چاردیواری کے اندر عزت کا مسئلہ بین الاقوامی مسئلہ سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ہمیں دنیا سے کیا لینا ہے۔ غریب کی دنیا تو چھوٹی سی چاردیواری کے اندر ہوتی ہے۔ یہ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ ایک تو ہمارے گھر میں ڈاکہ ڈالا ہے اور ہمیں ہی مجرموں کی طرح یہاں بٹھایا ہوا ہے۔"
باپ نے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "آہستہ بولو۔ میں تمام راستے تمہیں سمجھاتا رہا ہوں کہ غصہ سے جوش میں آکر یہاں نہ بولنا۔ بڑے لوگوں کا کچھ نہیں بگڑے گا' ہم ہی انصاف حاصل نہیں کر سکیں گے۔"
پھر وہ بیٹے کو تھپک کر بولا۔ "تم بہن سے بہت پیار کرتے ہو۔ میں تمہیں اسی بہن کی قسم دیتا ہوں۔ سر سلیمان کے سامنے نظریں نیچی کر کے نیچی آواز میں بولنا۔ جو گستاخ اور بے ادب ہوتے ہیں وہ اونچی آواز میں بولتے ہیں۔"
"ابا! تم مجھے رانو کی قسم نہ دو۔ اس طرح تو تم فریاد کرنے والی زبان کاٹ رہے ہو۔"
"میں کچھ نہیں جانتا۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہمیں اپنی اوقات میں رہ کر بولنا ہے۔"
وہ سوچ میں پڑ گیا کہ فریاد کر کے رہ جائے گا' یا کسی طور احتجاج کر سکے

ایک چپراسی نے آکر کہا۔ "اٹھو۔ اندر چلو۔"
یار سیال نے چپراسی کے ہتک آمیز لہجے کو محسوس کیا۔ اسے گھور کر دیکھا۔ باپ اس کا بازو پکڑ کر سر سلیمان شاہ کے چیمبر کی طرف لے گیا۔ وہاں کھڑے ہوئے چپراسی نے ان کے لئے دروازہ کھولا۔ انہوں نے اندر آکر ایک بہت بڑی میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے سلیمان شاہ کو دیکھا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔
بڑے لوگ جواب نہیں دیتے۔ فوراً بات شروع کر دیتے ہیں۔ سلام کے ذریعہ ایک دوسرے پر سلامتی بھیجی جاتی ہے۔ وہ غریبوں کی سلامتی نہیں چاہتے۔ اس لئے وہ سلام کا جواب نہیں دیتے۔ یا صرف سر ہلا دیتے ہیں۔
سلیمان شاہ نے کہا۔ "مختصر بات کرو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ تم ایک جوان بیٹی کے باپ ہو۔ جہاں دیدہ ہو۔ بدنامی کو ہوا دینے والی کوئی بات نہیں کرو گے۔ میں نے پچاس ہزار کا یہ چیک لکھ دیا ہے۔ اسے لو اور جلد سے جلد بیٹی کی شادی کر دو۔"
وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "حضور! آپ کا نمک خوار ہوں۔ اناج کی منڈی میں ایک چھوٹا سا مہاجن ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اچھا کماتا ہوں' اچھا کھاتا ہوں۔ آپ رقم نہ دیں۔ میری بیٹی کی شادی رقم سے نہیں' نیک نامی سے ہوگی۔ وہ نیک نامی ہمارے پاس نہیں رہی۔"

[سلیمان] شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہاں آتے ہی تمہیں کہا تھا' میرے پاس وقت نہیں ہے۔ فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ میرے پاس رقم ہے' رقم دے رہا ہوں۔ بانٹنے کے لئے نیک نامی نہیں ہے۔ یہ چیک لو۔ اور جو ہو گیا' اس پر مٹی ڈالو۔"
یار سیال نے آگے بڑھ کر چیک لیا پھر کہا "سر! میرے ابا کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ جب یہاں کا دستور یہی ہے تو اسی دستور کے مطابق آبرو کی قیمت وصول کر لینا چاہئے۔ آخر ہم سے پہلے دوسروں نے بھی یہی کیا ہے۔"
سلیمان شاہ نے گھور کر یار سیال کو دیکھا پھر کہا۔ "نوجوان! تمہارے لہجے میں طنز ہے۔ کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ ہمارے سامنے سر جھکا کر گفتگو کی جاتی ہے۔"
"سر! آپ کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ ورنہ آپ کو سمجھاتا کہ کوئی رقم لے کر سمجھوتہ پر آمادہ ہو جائے تو صرف اس کے لہجے کے طنز کو نہیں' اس طنز کے پیچھے اس کے نیک ارادوں کو سمجھنا چاہئے۔ چلو ابا!"
اس سے پہلے کہ باپ کچھ بولتا' وہ اسے کھینچتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔
سر سلیمان شاہ سمجھ نہ سکا کہ اس کے طنز کے پیچھے نیک ارادے کیا ہو سکتے ہیں؟ اب اسے معلوم ہونے والا تھا۔
وہ مسلح گارڈز کے سخت پہرے سے گزر کر نازاں کے بیڈ روم میں پہنچا ہوا تھا۔ یہ طے کر چکا تھا کہ جس طرح اس کی بہن کی عزت لوٹی گئی ہے۔

اسی طرح وہ بھی خرم کی بہن کو لوٹ لے گا۔ پھر اس کے لٹنے کی ایسی پبلسٹی کرے گا کہ سر سلیمان شاہ اور اس کے پورے خاندان والوں کے سر شرم سے جھک جائیں گے۔
انتقام عقل کو اندھا کر دیتا ہے۔ وہ بھی اندھا ہو کر آیا تھا۔ لیکن اس طلسماتی حسن کو دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ عقل نے کہا' ایسے شفاف بدن کو میلا نہ کر' اسے اپنی ملکیت بنا لے۔ انتقام ایسا لے کہ دشمنوں کے سر جھک جائیں۔ لیکن حسن کی آبرو نہ جائے۔
وہ خوابیدہ حسن کے سامنے سحر زدہ سا تھا۔ مگر عقل سے سوچ رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی۔ سحر زدہ ہونے والے حاضر دماغ نہیں رہتے۔ لیکن وہ اس کے سحر میں رہ کر اسی کے حق میں سوچ رہا تھا' اور انتقام کا ارادہ بھی نہیں بھول رہا تھا۔
بیک وقت پیار بھی تھا اور نفرت بھی۔ پیار نازاں سے تھا اور نفرت نازاں کے پیاروں سے تھی۔
اس نے لباس کے اندر سے ریوالور نکال لیا۔ وہ اسے ہاتھ لگانا نہیں چاہتا تھا۔ اندیشہ تھا کہ چھونے سے جل جائے گا۔ اور یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ آنکھیں کھول کر ایک اجنبی کو دیکھے گی تو چیخ پڑے گی۔
اس نے حالات پر قابو رکھنے کے لئے ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اور ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔ حیرانی سے انتظار کرنے لگا' اس کی آنکھ نہیں کھل رہی تھی۔ ہاتھ رکھنے کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا الٹا اثر

یار سیال پر ہو رہا تھا۔ جس طرح چاول کے ایک دانے سے پوری ہانڈی کے پکنے کا علم ہو جاتا ہے' اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھنے سے یار سیال کو پتہ چل رہا تھا کہ اس کی گوری اور گلابی جلد بہت چکنی ہے' دل پھسل رہا ہے اگر وہ جلد بیدار نہ ہوئی تو عقل بھی پھسل پڑے گی۔
وہ ہاتھ ہٹانے والا تھا' اسی وقت وہ کسمسائی۔ اس نے نیند میں کوئی غیر معمولی بات محسوس کی۔ پھر اس کا ایک ہاتھ اپنے منہ پر آیا۔ منہ پر دوسرے کا ہاتھ تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ کو ٹٹولا۔ پھر پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔
آنکھوں کے سامنے ایک اجنبی چہرہ تھا۔ وہ دہشت زدہ ہو کر حلق پھاڑ کر چیخنا چاہتی تھی لیکن منہ بند تھا۔ ایک مضبوط مردانہ ہاتھ نے اس دبوچ رکھا تھا۔ وہ ریوالور دکھاتے ہوئے بولا۔ "ذرا بھی آواز نکالو گی تو گولی ماردوں گا۔"
وہ سہمی ہوئی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بھی اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ ریوالور کو دیکھ کر ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ اس نے کہا۔ "میں ہاتھ ہٹا رہا ہوں۔ آواز نکلتے ہی میں ہمیشہ کے لئے تمہاری آواز بند کر دوں گا۔"
وہ ہاتھ ہٹا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ خوف زدہ سی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی خاموش نظریں پوچھ رہی تھیں۔ تم کون ہو؟ میرے بند کمرے میں کیسے آئے ہو؟ اس طرح آنے کا مقصد کیا ہے؟ اگر چوری کرنے آئے تو مجھے نہ

جگاتے۔ کیا جگا کر مجھے چرانے آئے ہو؟

وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا۔ "تم چاہو تو اٹھ سکتی ہو۔ بیٹھ سکتی ہو۔"

وہ بستر پر بیٹھ کر اپنا لباس درست کرنے لگی۔ اس نے کہا۔ "تم جاننا چاہتی ہوگی کہ میں کون ہوں؟ میرا نام احمد یار سیال ہے۔ میرے احباب مجھے یار سیال کہتے ہیں۔ تم مجھے یار کہوگی۔"

نازاں نے ذرا دیر کے لئے خوف کو بھول کر غرور سے تیور بدلے۔ پھر منہ پھیر لیا۔ اس نے کہا۔ "تم جاننا چاہوگی کہ میں کیوں آیا ہوں؟ تم خود سمجھ سکتی ہو' ایک حسین اور جوان دوشیزہ کے بند کمرے میں ایک جوان مرد کس ارادے سے آتا ہے۔"

وہ بستر پر کھسک کر بولی۔ "مم۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ مجھ سے دور رہو۔"

"جب تم خواب غفلت میں تھیں' مجھے دور نہیں کر سکتی تھیں' تب بھی تم سے دور تھا۔ اب ریوالور کے زور پر تم سے بہت کچھ چھین سکتا ہوں پھر بھی تم سے دور ہوں۔"

"تم؟ پھر تم کیا لینے آئے ہو؟"

"تمہارے بھائی خرم نے میری بہن کی عزت کو مٹی میں ملایا ہے۔ تم سے پوچھنے آیا ہوں' مجھے خرم کی بہن سے کیا سلوک کرنا چاہئے؟"

"بھائی کی غلطی کی سزا مجھے نہ دو۔ تم شریف ہو' مجھ سے شریفانہ سلوک کرو۔"

"تو پھر شرافت سے پوچھ رہا ہوں' مجھ سے شادی کروگی؟"

"شادی؟ تم سے؟ میں۔" اس نے تیور بدل کر ناگواری سے پوچھا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "میں اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی۔ شریف زادیاں بزرگوں کی مرضی سے شادی کرتی ہیں۔"

"جب نکاح ہو جائے گا۔ جب ہم ایک ہو جائیں گے تو بزرگ راضی ہو جائیں گے۔"

"اگر تم ہمارے برابر کی حیثیت کے نہیں ہوئے تو وہ کبھی راضی نہیں ہوں گے۔"

"شادی سے پہلے لڑکی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ شادی کے بعد تمہاری حیثیت وہی ہوگی' جو میری ہے۔ حیثیت پر نہ جاؤ۔ صرف ایک سوال کا جواب دو' میری شریک حیات بنوگی؟"

اس نے سوچتی نظروں سے یار سیال کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "اگر میں راضی ہو جاؤں تو تم شادی سے پہلے مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے نا؟"

"نہیں لگاؤں گا۔ شادی کی پہلی رات تک تم میری امانت رہوگی۔ کوئی دوسرا میری امانت کو چھونا چاہے گا تو اسے گولی مار دوں گا۔"

"شادی ابھی تو نہیں کروگے نا؟"

"تم مجھے سمجھنے کے لئے چند روز کی مہلت لے سکتی ہو۔"

"ہاں میں تمہیں سمجھنا چاہتی ہوں۔ ایک ماہ بعد ہم شادی کی تاریخ مقرر کریں گے۔"

"ایک ماہ نہیں' ایک ہفتہ بھی نہیں۔ صرف تین دنوں کے بعد ہماری

شادی ہوگی۔ چوتھے دن میں جہاں بلاؤں گا' تم وہاں آؤگی۔"

"آؤں گی۔ جہاں بلاؤ گے' وہاں آؤں گی۔ اب تمہیں جانا چاہئے۔ بہت رات ہو گئی ہے۔"

"تم سمجھ رہی ہو' میرے یہاں سے جانے کے بعد تمہیں مجھ سے نجات مل جائے گی۔ نہیں کبھی نہیں۔ مجھے دھوکہ دے کر کبھی چھپ نہیں سکوگی۔"

اس نے جیب سے ایک چیک نکال کر اسے دیا۔ پھر کہا۔ "تمہارے باپ نے پچاس ہزار روپے کا یہ چیک دیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے' میری بہن کی آبرو کی یہی قیمت ہے۔ جب تم شرافت سے میری زوجیت میں نہیں آؤگی تو پھر میں تمہاری عزت سے کھیلوں گا اور تمہارے باپ کو یہ چیک دوں گا کیونکہ اس کی نظروں میں آبرو کی قیمت پچاس ہزار روپے ہوتی ہے۔ میں تمہارے باپ کے چیک سے تمہاری آبرو کی قیمت ادا کروں گا۔"

وہ چیک دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ یار سیال نے اس کے ہاتھوں سے چیک لے کر کہا۔ "یہاں سے باہر چلو۔"

وہ بولی۔ "سیکورٹی گارڈز تمہیں گولی مار دیں گے۔"

"میری فکر نہ کرو۔ کنوارہ نہیں مروں گا۔ چلو۔ مجھے ہاتھ لگانے اور پکڑ کر لے جانے پر مجبور نہ کرو۔"

"پلیز اتنا بتا دو' مجھے تمہارے ساتھ کہاں تک جانا ہوگا؟"

"میں اس کوٹھی کے احاطے سے باہر نہیں لے جاؤں گا۔"

وہ بیڈ سے اتر کر دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھول کر باہر دیکھا۔ پھر اس کے آگے آگے چلتی ہوئی زینے پر آکر نیچے جانے لگی۔

اوپر اور نیچے سناٹا تھا۔ کوئی بے وقت نہیں جاگ رہا تھا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم سے گزر کر کچن میں آئے۔ کچن کا وہ دروازہ جو کوٹھی کے پچھلے حصے کی طرف کھلتا تھا' وہ اندر سے بند تھا۔ وہ دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ کان لگا کر سننے لگا۔ باہر خاموشی تھی۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "ابھی یہاں سے دو گارڈز گزریں گے۔ ایسے وقت تمہارے منہ سے کھانسنے' کھنکارنے کی بھی آواز نہ نکلے۔"

وہ دونوں وہاں چپ چاپ کھڑے رہے۔ پانچ منٹ گزر گئے۔ ایسے وقت ایک ایک منٹ بھی ایک ایک صدی لگتا ہے۔ وہ پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم پریشانی میں اور زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ میں ذلالت کر سکتا تھا۔ مگر شرافت سے پیش آ رہا۔ میری محبت اور شرافت کی قدر کرو۔ کروگی نا؟"

پھر اس نے فوراً ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کی تاکید کی۔ سیکورٹی گارڈز کے جوتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ آوازیں دور سے دروازے کے قریب آئیں۔ پھر قریب سے گزرتی ہوئی دور جانے لگیں۔ دور جاتے جاتے معدوم ہو گئیں۔ یار سیال نے پانچ منٹ اور انتظار کیا۔ پھر دروازہ کھول کر اس سے کہا۔ "آگے چلو۔ جلدی کرو۔"

وہ دروازے سے باہر آئی۔ یار سیال نے دائیں بائیں دور تک دیکھا پھر

کہا۔ "اس احاطے کی دیوار تک چلو۔"

وہ تیزی سے ادھر جانے لگی۔ وہ اس کے پیچھے تھا۔ دونوں گارڈز کوٹھی کے اس حصے سے گزرتے ہوئے دائیں طرف مڑ گئے تھے۔ دیوار کی آڑ میں رک کر سگریٹ سلگا رہے تھے۔ ماچس کی ڈبیہ کا مسالہ نم ہو گیا تھا۔ تیلی آگ نہیں پکڑ رہی تھی۔ کئی تیلیاں ضائع ہونے کے بعد ایک جلی' اس سے سگریٹ سلگاتے وقت گارڈ نے چونک کر دیکھا۔ پھر للکارا۔ "کون ہے؟ ہالٹ!"

وہ دونوں احاطے کی دیوار تک پہنچ گئے تھے۔ یار سیال للکار سنتے ہی چھلانگ لگا کر دیوار پر گیا۔ پھر دوسری طرف کود کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ نازاں نے پلٹ کر چیختے ہوئے کہا۔ "گولی نہ چلانا میں ہوں۔"

وہ دوڑتی ہوئی کچن کے دروازے کی طرف جانے لگی۔ دونوں گارڈز اسے دیکھ رہے تھے۔ دونوں ایک ہی بات سوچ رہے تھے' بڑے باپ کی بیٹی کسی یار کے ساتھ تھی۔ رات کے پچھلے پہر اسے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔

❑*❑

اس رات کوٹھی والوں کے مقدر میں سکون کی نیند نہیں تھی۔

نازاں کچن کے پچھلے دروازے سے اندر آکر ڈرائنگ روم میں پہنچ کر زور زور سے چیخنے لگی۔ رات کے سناٹے میں چیخنے کی آوازیں اوپری منزل تک جا رہی تھیں۔ سونے والے ہڑبڑا کر اٹھ رہے تھے۔ اندازہ کر رہے تھے کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟ اور کون ہے' جو پاگلوں کی طرح چیخیں مار رہی ہے؟

وہ توہین کے احساس سے پاگل ہو رہی تھی۔ ایک اجنبی جوان نے اس کی خاندانی حیثیت کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اسے ایک معمولی جھگی والی سمجھ کر اس کے بند کمرے میں آیا تھا اور کہہ رہا تھا کہ عزت لوٹنے آیا ہے۔ ایسا کہنا ہی اس کی شان کے خلاف تھا۔ وہ اسے گولی نہ مار سکی۔ اس کا کچھ نہ بگاڑ

سکی۔ اس بات پر اسے غصہ آ رہا تھا وہ چینل کا گلدان اٹھا کر کھڑکی کے شیشے توڑنے لگی۔ پھر اس نے تیس ہزار کے فانوس کا نشانہ لیا اور گلدان کھینچ کر مارا۔ فانوس کے چاندی جیسے شیشے ٹوٹ کر فرش پر اور صوفوں پر بکھر رہے تھے۔

اس کی تمام بہنیں اور بھائی دوڑتے ہوئے آ گئے۔ انہوں نے اسے روکنا اور پکڑنا چاہا۔ وہ قریب آنے والوں کو مارنے لگی۔ پھر سلیمان شاہ کی گرجدار آواز دی۔ "ڈونٹ شاؤٹ لائیک اے شی ڈاگ۔"

وہ بولی۔ "ہاں میں کتیا کی طرح بھونک رہی ہوں۔ چیخ رہی ہوں۔ چلا رہی ہوں۔ سلیمان شاہ کی بیٹی کی اوقات ایک کتیا کی ہو گئی ہے۔ باہر ہتھیار والے پہرہ دے رہے ہیں۔ اندر دو جوان تگڑے بھائی ہیں۔ رعب اور دبدبے' جاہ و جلال والا ایک باپ ہے۔ پھر بھی وہ بدمعاش میرے بیڈ روم میں گھس آیا تھا۔"

لاثانی بیگم نے گھبرا کر پوچھا۔ "بدمعاش؟ تمہارے بیڈ روم میں؟"

"ہاں ہاں۔ وہ ابھی میرے کمرے سے نکل کر گیا ہے۔ کیا کسی کو غیرت آ رہی ہے؟"

خرم نے آگے بڑھ کر کہا۔ "غیرت کیسے آئے گی؟ میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ یہاں کوئی چور گھس آیا ہے۔ لیکن مجھے نشے میں سمجھا جا رہا تھا۔ کوئی میری بات کا یقین نہیں کر رہا تھا۔ کیوں پاپا؟ میں الو کا پٹھا ہوں؟ ذرا نظریں اٹھا کر دیکھیں۔ آپ کی لاڈلی بیٹی کے ساتھ کیا ہو چکا ہے؟"

نازاں نے کہا۔ "تم بکواس نہ کرو بھائی! یہ سب تمہاری بدمعاشیوں کا نتیجہ ہے۔ اس بدمعاش کو میرے کمرے تک پہنچانے والے تم ہو۔"

ماں نے ڈانٹ کر کہا۔ "کیا بکتی ہے؟"

"ممی! بڑے بیٹے کے خلاف آپ سن نہیں سکتیں۔ مگر آج سننا ہوگا۔ بھائی نے ایک شخص کی بہن کی عزت لوٹی تھی۔ وہی شخص ابھی میری عزت لوٹنے آیا تھا۔"

سب نے توہین محسوس کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بڑی بہن شینا نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ "نازاں! کیا۔ کیا اس نے تمہارے ساتھ۔۔۔۔؟"

وہ بھڑک کر بولی۔ "مجھ سے کوئی بیہودہ سوال نہ کرنا۔ پتہ نہیں وہ کس چھوٹی ذات کا ہے' مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے تین دن کی مہلت دی ہے۔ اگر چوتھے دن میں نے اس سے شادی نہ کی تو اس کا چیلنج ہے' وہ مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ مائی ڈیئر پاپا! آپ کا سر جو آسمان کو چھو رہا ہے' اسے زمین پر جھکا دے گا۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کتے کی موت ماروں گا۔"

ظفر نے کہا۔ "آپ سے پہلے میں اسے قتل کروں گا۔ میری بہن تک پہنچنے والے کی لاش کو گدھ نوچ نوچ کر کھائیں گے۔"

خرم نے کہا۔ "وہ میرا شکار ہے۔ میں نے اس کے ساتھ جو کیا' وہی

میرے ساتھ وہ کرنے آیا تھا۔ میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔ مگر وہ بزدل بھاگ کر تمہارے کمرے میں چھپ گیا تھا۔ مگر کہاں جائے گا۔ میں اسے پہچان گیا ہوں' اس کا نام احمد یار سیال ہے۔"

سلیمان شاہ نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم ایسا نہیں کروگے۔ اس پنڈی کی طرف رخ نہ کرنا۔ تم اور ظفر اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاؤ گے تو نازاں بدنام ہوگی۔ اس جوان کے تیور میں نے دیکھے ہیں۔ اس کے اندر بغاوت کی آگ ہے۔ میں اس آگ کو بھڑکنے سے پہلے کسی حکمت عملی سے بجھا دوں گا۔"

لاثانی بیگم نے کہا۔ "تمہارے پاپا اس سے نمٹ لیں گے۔ تمہیں معلوم کرنا چاہئے کہ وہ ہماری کوٹھی میں کیسے داخل ہوا؟"

وہ بولی۔ "ممی! میں اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر کے سوتی ہوں۔ یہ کتنی حیرانی کی بات ہے کہ اس کے پاس چابی کی ڈپلیکیٹ تھی۔ کس نے دوسری چابی بنا کر اس بدمعاش کو دی تھی۔ ہمارے گھر کا کوئی ملازم ہم سے نمک حرامی کر رہا ہے۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ظفر نے ٹیلیفون کے پاس آ کر ریسیور اٹھایا۔ اسے کان سے لگا کر پوچھا۔ "ہیلو کون؟"

دوسری طرف سے یار سیال نے کہا۔ "فون اپنے باپ کو دو۔"

"مگر تم ہو کون؟ یہ کوئی فون کرنے کا وقت ہے اس وقت ساری دنیا سوتی ہے۔"

"لیکن تمہارا پورا گھر جاگ رہا ہے' جس نے تم سب کی نیند اڑائی ہے' میں اس کے بارے میں اطلاع دینا چاہتا ہوں۔"

اس نے باپ سے کہا۔ "پاپا! کوئی آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔ وہ آپ سے یار سیال کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

باپ زینے سے اتر کر آنے لگا۔ اس سے پہلے نازاں نے آکر ظفر سے ریسیور چھین لیا۔ پھر اسے کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو اس کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟ کون ہو تم؟"

"ہیلو جان من! میں ہوں تمہارا یار۔ کیا پورا نام بتاؤں؟"

وہ غصہ سے چیخ کر بولی۔ "تم؟ تم ہو ذلیل کتے! تو ریوالور دکھا کر مجھے خاموش رہنے پر مجبور کرتا رہا۔ وہ ریوالور میرے پاس ہوتا تو میں تجھے گولیوں سے چھلنی کر دیتی۔ مرد کا بچہ ہے تو اب میرے سامنے آ۔ میں قسم کھاتی ہوں' جب تک تجھے گولی نہیں ماروں گی' ایک گھونٹ پانی نہیں پیوں گی۔"

یار سیال کی آواز آئی۔ "میرے خدا! میں سمجھ رہا تھا کہ تم میری نیکی اور شرافت سے متاثر ہو رہی ہوگی۔ مگر تم تو اپنے جاگیردارانہ غرور پر ڈٹی ہوئی ہو۔ یہ ثابت کر رہی ہو کہ شرافت تم لوگوں کو راس نہیں آتی ہے۔ اب تو تم سے وہی سلوک کرنا ہوگا' جس کی تم حقدار بن رہی ہو۔"

باپ نے آکر ریسیور کو پکڑا۔ وہ بولی۔ "پاپا! یہ میرا معاملہ ہے۔ مجھے بات کرنے دیں۔"

"تم بات نہیں کر رہی ہو۔ بات بگاڑ رہی ہو۔ ریسیور مجھے دو۔"

میرے سا
کر تمہار
ہوں' اس کا

سے لگایا پھر کہا۔ "میں شاہ بول رہا

بن شاہ ابن شاہ! اپنے بیٹے کی عیاشیوں کا
۔ جانے کتنے ہزار کتنے لاکھ روپے خرچ کرتے
پچاس ہزار روپے کا چیک محفوظ رکھا ہے۔ جب
آبرو کی قیمت ادا کروں گا۔"

"اشتعال دلانے والی باتوں سے پرہیز کرو۔ صرف کام کی

میں بھول گیا تھا' آپ گفتگو مختصر کرتے ہیں۔ آپ کے پاس
نہیں ہوتا۔ آج آپ کو سونے کا بھی وقت نہیں مل رہا ہے۔ کام
یہ ہے کہ اب آپ کی بیٹی کسی کام کی نہیں رہے گی۔ اس نے مجھ
شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ شرافت سے بیوی بن کر نہیں رہنا
چاہتی۔ لہٰذا وہ میری داشتہ بن کر رہے گی۔"

"ایک بیٹی کے باپ سے ایسی باتیں نہ کرو۔"

"لوگ میرے باپ سے کیسی کیسی باتیں کرتے ہیں' یہ آپ نہیں جانتے۔ مگر اب جانتے رہیں گے۔"

"زیادہ مت بولو۔ تم میری بیٹی کو شریک حیات بنانا چاہتے ہو۔ یہ مجھے منظور ہے۔ کل شام مجھ سے آفس میں ملو۔"

نازاں چیخ کر کہنے لگی۔ "مجھے منظور نہیں ہے۔ میں اس ذلیل پر تھوکنا

بھی پسند نہیں کرتی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا پاپا! کہ آپ اس کے سامنے کیوں جھک رہے ہیں؟"

شاہ نے بیٹی کو آنکھ کا اشارہ کیا پھر کہا۔ "مجھے اپنے خاندان میں ایسے دلیر اور سرکش جوان کی ضرورت ہے۔ وہ لالچی نہیں ہے۔ اس نے پچاس ہزار کا چیک قبول نہیں کیا ہے۔ ایسا دیانتدار داماد میری جاگیر کی صحیح نگرانی کر سکے گا۔"

پھر وہ ریسیور کے ذریعہ بولا۔ "یار سیال! کل شام پانچ بجے آفس میں ملو۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ ہال نما ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ مرد اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔ ماں اور بہنیں نازاں کو دیکھ کر سوچ رہی تھیں کہ اس کی سب سے اہم پونجی لٹ چکی ہے۔ اسی لئے وہ لوٹنے والے کو گالیاں دے رہی ہے۔ اسے مار ڈالنے کی قسمیں کھا رہی ہے۔ پتہ نہیں وہ یار سیال کون ہے' جس نے نازاں کے غرور کو جوتے مارے ہیں۔

اگر نازاں کہتی کہ اس کے ساتھ کچھ نہیں ہوا ہے تو کوئی یقین نہ کرتا۔ وہ اپنی کوئی سی بھی بات منوانے کے لئے اکثر جھوٹ بولتی تھی۔ اسی لئے وہ ماں باپ اور بھائی بہنوں کی نظروں میں جھوٹی اور مکار تھی۔

لاثانی بیگم بھی یہی سوچ رہی تھی۔ "میں بیٹی سے تنہائی میں سچ پوچھوں گی تو وہ اپنی انا قائم رکھنے اور پارسائی جتانے کے لئے جھوٹ بولے گی۔ کبھی یہ تسلیم نہیں کرے گی کہ ایک کمتر درجے کے جوان سے ہار گئی ہے۔ ویسے

سمجھنے کے لئے اتنی سی عقل کافی ہے کہ وہ جوان اس کے بند کمرے میں دو تین گھنٹوں تک تسبیح نہیں پڑھ رہا تھا۔"

نازاں نے باپ سے پوچھا۔ "پاپا! آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ مجھے بتائیں۔ میرا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ایزی بے بی! ایزی۔ میں کچھ کرنے سے پہلے ہر پہلو پر غور کرتا ہوں۔ وہ چھوٹا آدمی ہے۔ ہمارے اعلیٰ خاندان میں گھسنے اور ہمارے ساتھ نام جوڑنے کی کوششوں میں اس انتہا کو پہنچے گا' جہاں تمہاری بدنامی یعنی کہ ہماری بدنامی یقینی ہو جائے گی۔"

خرم نے کہا۔ "اسے کسی وقت بھی قتل کرنا کوئی مشکل کام تو نہیں ہے۔"

"اگر تم اس کی بہن پر ہاتھ نہ ڈالتے اور تمہاری بدمعاشیوں کا چرچا نہ ہوتا تو اسے ایک عام آدمی کی طرح قتل کر دیا جاتا۔ تمہاری وجہ سے وہ خاص اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس کے اپنے بھی کچھ ذرائع ہوں گے۔ بغیر سوچے سمجھے اسے قتل کیا جائے گا تو تم پر شبہ ہوگا۔ اس کیس میں نازاں پر بھی کیچڑ اچھالی جا سکتی ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ جوان تنہا کچھ نہیں کرتے بلکہ منظم سازشیں کرتے ہیں۔ پہلے میں معلوم کروں گا کہ وہ تنہا ہے' کمزور ہے؟ یا اس کے پیچھے ہمارے دشمن اسے طاقت ور باغی بنا رہے ہیں۔ کل شام تک میں بہت کچھ معلوم کر لوں گا۔"

سلیمان شاہ جس دشمن سے اندیشہ ظاہر کر رہا تھا' اس کا نام چودھری عظمت

اللہ تھا۔ وہ اس کی ٹکر کا جاگیردار تھا۔ یوں تو جاگیرداروں کی برتری' عظمت اور شان و شوکت ان کی زمینوں کی وسعت اور مال و دولت سے ہوتی ہے لیکن اب دولت کا مقابلہ غیر ممالک کے بینکوں میں ہوتا تھا کہ کتنے ممالک کے بینکوں میں کس نے کتنا سونا جمع کیا ہے اور کتنی زمین اور جائیداد خریدی جا رہی ہیں۔

یہ تو صدیوں سے جاری رہنے والے مقابلے ہیں۔ لیکن اپنی عظمت اور برتری قائم رکھنے کا فائنل مقابلہ ملک کی اسمبلیوں میں ہوتا تھا۔ نصف صدی سے بڑے بڑے جاگیرداروں کی یہی کوشش ہوتی رہی ہے کہ ان کی جاگیر میں زیادہ سے زیادہ انتخابی حلقے ہوں اور ان کے زیادہ سے زیادہ نمائندے اسمبلیوں میں جائیں۔ دور حاضر میں وہ اپنی قوتوں کا مظاہرہ اسمبلیوں میں کرتے ہیں۔ مخالف جاگیرداروں کو اپوزیشن میں دھکیل کر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ مقابلے سیاسی دشمنی سے گزرتے ہوئے ان کے گھریلو معاملات تک پہنچتے ہیں۔

سلیمان شاہ کو اندیشہ تھا کہ چودھری عظمت اللہ اپنے مفاد کی خاطر یار سیال کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ پچھلے سال چودھری نے نازاں کے لئے پیغام بھیجا تھا۔ وہ سلیمان شاہ کا ہم عمر تھا لیکن اس کا داماد بننا چاہتا تھا۔ سلیمان شاہ نے جواب بھیجا تھا۔ "اپنی ہی بیٹی سے نکاح پڑھالو۔ وہ بھی نازاں کی ہی ہم عمر ہے۔"

اس جواب نے دشمنی کی آگ اور بھڑکا دی تھی۔

اور اب نازاں کا ہی معاملہ تھا۔ چودھری جسے حاصل نہ کر سکا تھا' اسے یار سیال جیسے ایک عام نوجوان سے ملوث کر کے اس کا اسکینڈل بنانا اور ایک معمولی نوجوان کے ساتھ بدنام کرنا چاہتا ہوگا۔

سلیمان شاہ کے سامنے جو بساط بچھی ہوئی تھی۔ اس بساط پر مخالف مہرہ صرف یار سیال ہوتا تو اسے فوراً شہ مات دے دیتا لیکن اس کے پیچھے مخالف شہ چودھری عظمت اللہ کھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

❑*❑

محبت میں سیاست نہیں ہوتی۔ وہ نازاں کو پیار کی پوری سچائی کے ساتھ چاہتا تھا۔ اس لئے ایک جاگیردار کی بیٹی کو اپنا بنانے کے لئے دوسرے جاگیردار کے ساتھ کوئی سازش نہیں کر سکتا تھا۔ محبت سازشیں نہیں کرتی' سازشوں سے لڑتی ہے۔

نازاں نے فون پر اس سے شدید نفرت ظاہر کی تھی۔ ایسی شدید نفرت جس کے پیش نظر محبت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ سوچا نہیں جا سکتا تھا کہ اس مغرور حسینہ کے دل میں کہیں کوئی نرم گوشہ ہوگا لیکن عاشق پھر عاشق ہوتا ہے' اپنی معشوق کی نفرت سے بھی محبت کرتا ہے۔

اور مرد پھر مرد ہوتا ہے' عورت سے ملنے والی توہین برداشت نہیں کرتا۔ یار سیال نے بھی طے کر لیا تھا کہ نازاں کی نفرت کو تو برداشت کرے

گا لیکن وہ توہین کرے گی تو اسے منہ توڑ جواب دے گا۔ شہ سوار وہی ہوتا ہے جو گھوڑی کو آزاد چھوڑتا ہے' اس کی لگام کو نہیں چھوڑتا۔

وہ سلیمان شاہ سے ملاقات کرنے کے لئے اس کے دفتر کی طرف روانہ ہوا تو اکیلا نہیں تھا۔ اس کے کچھ ساتھی بھی آگے پیچھے گاڑیوں میں تھے۔ ان کے علاوہ دو مسلح سپاہی بھی اس کے قافلے میں شامل تھے۔

سلیمان شاہ صبح سے دفتر میں تھا۔ اس روز دفتری مصروفیات کو نظرانداز کر رہا تھا۔ اور صرف یارسیال کے مسئلے پر سر کھپا رہا تھا۔ مختلف ذرائع سے اس کے متعلق معلومات حاصل کر رہا تھا۔ کسی بھی ذریعہ سے یہ ثابت نہیں ہو رہا تھا کہ یارسیال کا رابطہ کسی بھی طور چودھری عظمت اللہ سے ہے۔

جو دوسروں پر حاوی رہنے کے لئے مزاج حکمرانی رکھتے ہیں' وہ پولیس اور غنڈوں کو ضرور پالتے ہیں۔ پولیس کے ذریعہ قانون ہاتھ میں لینے کی چھوٹ ملتی رہتی ہے اور غنڈوں کے ذریعہ لوگوں کو دہشت زدہ کرنے اور انہیں کمتر بنائے رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ سلیمان شاہ کے بھی بے شمار پالتو غنڈے اور تابعدار پولیس والے تھے۔ اس نے صبح دفتر آتے ہی سرور بادشاہ کو بلایا پھر کہا۔ "آج شام پانچ بجے ایک بندہ مجھ سے ملاقات کرنے آئے گا۔ اس کا نام احمد یارسیال ہے۔ تم پانچ بجے سے پہلے یہاں دفتر میں رہو گے اور اس کی شکل و صورت دیکھو گے اپنے بندوں کو بھی دکھاؤ گے۔ اگر وہ تنہا آئے اور تنہا جائے تو اس کا تعاقب کرو گے۔ راستے میں کہیں موقع ملے تو وہیں اسے قتل کرو گے۔ ورنہ کل صبح ہونے سے پہلے اس کا کام

تمام کرو گے۔ میری یہ مختصر سی بات سمجھ میں آ رہی ہے؟"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے؟ ہم آپ کے بتائے ہوئے ٹائم کے مطابق اسے پھڑکا دیں گے۔ آپ جانتے ہیں' ہم پہلے کبھی ٹائم سے بے ٹائم نہیں ہوئے۔"

"کیا تمہارے پاس موبائل فون ہے؟"

"یہ بڑے لوگ رکھتے ہیں جناب عالی! ہم رکھ کر کیا کریں گے؟"

اس نے دراز میں سے ایک موبائل فون نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ ضروری ہے۔ میں یارسیال کے قتل کا ارادہ ترک کر سکتا ہوں۔ ایسے وقت تمہیں اس فون پر اطلاع دوں گا۔ تم میرے آئندہ احکامات کے مطابق عمل کرو گے۔ اب جاؤ۔"

وہ سلام کر کے چلا گیا۔ سلیمان شاہ نے پولیس کے اعلیٰ افسر سے فون پر رابطہ کرنا چاہا۔ ایک ماتحت نے جواب دیا۔ "صاحب نہیں ہیں۔ شاید لاہور سے باہر گئے ہیں۔ شاید شام تک واپس آئیں گے۔"

سلیمان شاہ نے ریسیور رکھ دیا۔ اس ماتحت نے ہر بات میں "شاید" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ وہ یقینی طور پر نہیں جانتا تھا کہ اس کا صاحب شہر سے باہر گیا ہے یا نہیں؟ اور گیا ہے تو شام تک واپس آئے گا یا نہیں؟ اس نے دو گھنٹے بعد پھر فون کیا۔ پھر وہی جواب ملا کہ صاحب دفتر میں نہیں ہیں۔

اعلیٰ افسر سے رابطہ نہ ہونے پر سلیمان شاہ نے یہی طے کیا کہ یارسیال کے معاملے میں صرف غنڈوں سے کام لیا جائے۔ پولیس والوں کے تعاون

کی ضرورت پڑے گی تو وہ اعلیٰ افسر کے گھر پہنچ جائے گا۔

دوپہر کو نازاں آ گئی۔ سلیمان شاہ نے کہا۔ "تم سے رہا نہ گیا۔ یہاں چلی آئیں۔ کیا میں اناڑی ہوں کہ اس دو کوڑی کے چھوکرے سے نمٹ نہیں سکوں گا؟"

"میں جانتی ہوں' آپ اسے چیونٹی کی طرح مسل دیں گے۔ میں یہ تماشہ دیکھنے آئی ہوں۔"

"یہ تماشا ہماری تمہاری آنکھوں کے سامنے نہیں ہو گا۔ پتہ نہیں وہ غنڈے اسے کہاں لے جا کر ٹھکانے لگائیں گے۔ تم جاؤ۔"

"نو پاپا! وہ شام کو یہاں آنے والا ہے۔ میں جی بھر کے اس کی انسلٹ کرنا چاہتی ہوں۔ پتہ ہے' آج صبح سے دو بار فون پر مجھے کیا کہا گیا ہے؟"

"کیا اس بدمعاش نے کچھ کہا ہے؟"

"اس کی آواز نہیں تھی۔ پہلی بار فون پر کسی عورت نے پوچھا' وہ کل رات تمہارے متفل کمرے میں کیسے آ گیا؟ اور آ ہی گیا تھا تو جانے کیوں دیا اور اگر جانے دیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے' وہ تمہاری مرضی سے آیا تھا۔ تمہاری مرضی سے گیا ہے۔ میں نے اسے گالیاں دے کر فون بند کر دیا۔"

"تم غصہ میں گالیاں کیوں دیتی ہو؟ کیا مل جاتا ہے تمہیں؟ صبر اور ذہانت سے کام کیوں نہیں لیتی ہو؟"

"میرے ساتھ جو ہو رہا ہے' اسے میں برداشت نہیں کر سکتی۔ دوسری بار ایک بوڑھی عورت نے فون پر کہا کہ اس بڑھیا کے ساتھ بھی یہی ہوا

تھا۔ جوانی میں کوئی اس کے کمرے میں گھس آیا تھا۔ پھر صبح گیا تھا۔ اس بڑھیا نے مارے شرم کے جوانی میں خودکشی کر لی تھی۔ وہ کمبخت جوانی میں خودکشی کر چکی تھی تو بڑھاپے تک زندہ کیسے تھی؟ کیا یہ مجھے چڑانے اور غصہ دلانے والی باتیں نہیں ہیں؟"

"دیکھو بیٹی! کیچڑ میں پتھر پھینکو گی تو تم پر چھینٹے آئیں گے۔ تم نے کل رات فون پر اسے گالیاں دی تھیں۔ وہ آج فون کے ذریعہ تم پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔ تمہارے موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ تم یارسیال سے بدتمیزی نہ کرو۔ میرا خیال ہے پھر وہ بھی تمہاری انا کو ٹھیس نہیں پہنچائے گا۔ لیکن تم یہاں اس کی انسلٹ کرنے کے ارادے سے آئی ہو۔ تمہاری نادانی سے اس آفس میں ایک ہنگامہ برپا ہو گا۔ ہم یہاں تماشہ بن جائیں گے۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں' میں اپنی توہین برداشت کرتی رہوں۔"

"میں نے کسی حد تک اسے سمجھا ہے۔ تم اس کی توہین نہیں کرو گی تو وہ بھی تمہاری توہین نہیں کرے گا۔ تم اسی شرط پر یہاں رہو کہ اسے برداشت کرو گی۔ اپنی مرضی کے خلاف بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بولو' یہاں خاموش رہو گی اور اتنا ہی کہو گی جتنا کہنے کی اجازت دوں گا۔"

وہ سوچنے لگی۔ پھر سر جھکا کر بولی۔ "ایز یو وش پاپا!"

سرور بادشاہ وقت سے پہلے ہی دفتر کی انتظار گاہ میں آ کر بیٹھ گیا تاکہ یارسیال کو صورت سے پہچان سکے۔ اس کے غنڈے ماتحت دفتر کے باہر دور تک پھیل گئے تھے یارسیال ٹھیک پانچ بجے آیا۔ انتظار گاہ سے گزر کر آگے

جانے لگا۔ چپراسی نے راستہ روک کر کہا۔ "اے رک جا۔ صاحب خود بلائیں گے۔ چل ادھر بیٹھ جا۔"

یارسیال نے ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ دفتر میں کام کرنے والوں نے چونک کر دیکھا۔ یارسیال نے پوچھا۔ "یہ چپراسی تو تڑاخ سے باتیں کرتا ہے۔ کیا اس دفتر کے یہی آداب اور طور طریقے ہیں؟"

سرور بادشاہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ چپراسی کو ایک طرف دھکا دے کر ایک کوریڈور میں آیا۔ پھر وہاں سے گزرتا ہوا سلیمان شاہ کے چیمبر کے پاس آیا اور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ "کم ان۔"

اس نے جیسے ہی اندر جانے کے لئے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک کرسی پر نازاں نظر آئی۔ دونوں باپ بیٹی اسے اچانک دیکھ کر کچھ پریشان سے ہو گئے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ یارسیال کے آنے کی اطلاع ملے گی تو نازاں چیمبر سے ملحقہ ریسٹ روم میں چلی جائے گی۔ اس طرح اسے نازاں کی موجودگی کا علم نہیں ہو گا۔ اسے خلاف توقع دیکھ کر شاہ نے کہا۔ "تمہیں انتظار کرنا چاہئے تھا۔"

وہ اندر آ کر بولا۔ "آپ کی انتظار گاہ میں ضرورت مند بیٹھتے ہیں۔ پچھلی بار میں اپنی بہن کے معاملہ میں مجبور تھا۔ وہاں ابا کے ساتھ بیٹھا رہا۔ اس روز بھی آپ کے چپراسی نے ہمیں کمتر سمجھ کر ہم سے بدتمیزی کی تھی۔ آج بھی اس نے یہی حرکت کی۔ میں نے اس کی پٹائی کی ہے۔"

پھر اس نے نازاں کو دیکھ کر کہا۔ "جو بھی مغرور اور گستاخ ہو' اس کا

یہی علاج ہے کہ فوراً اس کی پٹائی کر دی جائے۔"

وہ غصہ سے اسے دیکھنے اور ہونٹوں کو بھینچنے لگی۔ اس کے نرم و نازک اور گلابی ہونٹ ایک دوسرے کو چوم رہے تھے۔ غصے کی یہ ادا بڑی رومان پرور تھی۔ وہ "ہونہہ" کے انداز میں پاؤں پٹخ کر ساتھ والے کمرے کا پردہ ہٹا کر دروازہ کھول کر چلی گئی۔ سلیمان شاہ انٹرکام پر کہہ رہا تھا۔ "ہاں میں سن چکا ہوں۔ اس چپراسی نے بدتمیزی کی تھی۔ اس سے وضاحت طلب کرو۔ اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔ جو بھی فون آئے' کہہ دینا' میں موجود نہیں ہوں۔"

اس نے انٹرکام کا ریسیور رکھ کر یارسیال سے کہا۔ "بیٹھو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا۔ "کیا کرتے ہو؟"

"میرا تعلق محکمہ زراعت سے ہے۔ کچھ نہ کچھ کر ہی لیتا ہوں۔ آپ کی بیٹی کسی چیز کی محتاج نہیں رہے گی۔ اچھا کھائے گی۔ اچھا پہنے گی۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے' میرے تمام بچے شاپنگ کے لئے لندن اور پیرس جاتے ہیں۔"

"آپ اپنے تمام بچوں کی بات نہ کریں۔ میں نازاں کو پاکستان میں شاپنگ کرنا سکھا دوں گا۔"

"وہ تم سے شادی نہ کرے تو تم کیا کرو گے؟"

"پھر اس کی شادی کہیں بھی نہیں ہو گی۔ جتنی بدنامی میری بہن کی ہو رہی ہے' اتنی ہی بدنامی اس کی بھی ہوتی رہے گی۔"

"ہمیں بدنام کرنے کے لئے چودھری عظمت اللہ تمہیں کتنی رقم دے رہا ہے؟"

"آپ کس چودھری عظمت اللہ کی بات کر رہے ہیں؟ میں کوئی بکاؤ شخص نہیں ہوں اور نہ ہی کسی چودھری وغیرہ سے رقم لیتا ہوں۔ کیا وہ چودھری سود پر رقم دیتا ہے؟"

"وہ بہت بڑا جاگیردار ہے۔ میرا دشمن ہے۔ تمہیں میرے خلاف استعمال کر رہا ہے۔"

"پلیز مجھے جاگیرداروں اور چودھریوں کے جھگڑوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' میں نازاں کو چاہتا ہوں۔ مجھ سے صرف نازاں کی باتیں کریں۔"

سلیمان نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ اس موبائل فون سے رابطہ کیا' جو سرور بادشاہ کے پاس تھا۔ وہ دفتر کے باہر اپنے حواریوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ فون کان سے لگا کر کہہ رہا تھا۔ "حکم جناب عالی! ہم ادھر موجود ہیں۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "کیا رپورٹ ہے؟"

"او جناب عالی! وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دو گاڑیوں میں بندے آئے ہیں۔ اور دو سپاہی بھی ہیں۔"

"ان کے بارے میں کچھ معلوم کیا ہے؟"

"او جناب عالی! ہم اکھاڑے میں اترنے سے پہلے مخالف پہلوان کی پوری جنم کنڈلی معلوم کر لیتے ہیں۔ وہ بات یہ ہے جناب عالی کہ بندے

اوکھے ہیں۔ دو اخبار والے ہیں جی اور ایک یونین کا لیڈر ہے۔ ان کے ساتھ پڑھے لکھے بندے ہیں جی۔"

"ٹھیک ہے۔ جب تک میں حکم نہ دوں' تم یہیں رہو گے۔"

سلیمان شاہ نے ریسیور رکھ کر یارسیال سے پوچھا۔ "ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟"

وہ بولا۔ "میرا کہنا' میرا سننا صرف نازاں کے لئے ہے۔ آپ ہماری شادی کی بات کریں۔ بہتر ہے' ہمارے درمیان رشتے داری ہو۔ اور میری بہن کو آپ اپنی بہو بنا لیں۔"

"وہاٹ نان سنس یو آر ٹاکنگ" وہ بے اختیار غصہ سے بولا۔ پھر فوراً ہی خیال آیا کہ یارسیال اخباری رپورٹرز کے ساتھ آیا ہے۔ اور یونین لیڈران بھی بڑے ہنگامہ برپا کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر پتہ نہیں' اس نے ایسا کون سا ذریعہ استعمال کیا ہے کہ اس کے ساتھ دو سپاہی رکھے گئے ہیں۔

وہ غصہ پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "شادی میری مرضی سے نہیں۔ میرے بیٹے کی مرضی سے ہو گی اور وہ تمہاری بہن سے شادی نہیں کرے گا۔"

"تو پھر اس کی بہن بھی شادی کے بغیر بازاری بنتی رہے گی۔"

وہ سختی سے ہونٹوں کو بھینچ کر اسے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم یہاں دو سپاہیوں کے ساتھ آئے ہو۔ کیا یہ سمجھانا چاہتے ہو کہ تمہارے پیچھے پولیس فورس ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ پولیس کے اعلیٰ افسران مجھے سلام کرتے

ہیں؟"

"تو پھر پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟"

"تم یہ بتاؤ کہ پولیس والوں کو میرے دفتر میں کیوں لائے ہو؟"

"وہ دفتر کے باہر ہیں۔ دراصل آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں نا؟ کہ وہ دو سپاہی کس تھانے سے آئے ہیں۔ معلوم ہو جائے گا تو آپ اس تھانے کے ذریعہ میری حیثیت معلوم کریں گے۔ چلیں ریسیور اٹھائیں اور تھانہ مزنگ کا نمبر ڈائل کریں۔"

وہ یارسیال کی لاعلمی میں اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے مطالبات پورے کرنے کے لئے ابھی اس کے بارے میں سب کچھ جاننا ضروری تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ ہونے پر کہا۔ "ہیلو ملک صاحب! میں سید سلیمان شاہ بول رہا ہوں۔"

"ہیلو شاہ صاحب! بہت عرصہ کے بعد آپ نے خادم کو یاد کیا ہے۔ میرے لائق کوئی خدمت جناب؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں' کیا آپ احمد یارسیال کو جانتے ہیں؟"

"یارسیال؟ ہاں۔ ہاں آج ہی اس بندے کا نام سنا ہے۔ اوجی! اوپر سے آرڈر آیا تھا کہ اس بندے کے ساتھ دو سپاہی کی ڈیوٹی لگا دی جائے۔ ہم نے اسے دو سپاہی دے دیئے۔ ویسے بات کیا ہے شاہ جی؟"

"آپ نے معلوم تو کیا ہو گا کہ اوپر والے اس بندے کو کس حیثیت سے جانتے ہیں؟ اور کس مقصد کے لئے اسے دو سپاہی دیئے گئے ہیں۔"

"ہماری کیا مجال کہ ہم اوپر والوں سے کوئی سوال کریں۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ انہوں نے کہا' ہم نے کر دیا۔"

سلیمان شاہ ریسیور رکھ کر یارسیال سے بولا۔ "مجھے کسی تھانے سے معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا تم نہیں بتا سکتے؟"

"آئی جی آف پولیس میرے والد کے چچا زاد بھائی ہیں۔ یعنی میرے چچا ہیں۔ ابھی چار دن ہوئے ہیں انہوں نے یہاں کا چارج سنبھالا ہے۔ آپ کے خرم کے خلاف کسی تھانے میں ایف آئی آر نہیں لکھی گئی۔ میری بہن موجودہ آئی جی کی بھتیجی ہے۔ ان کے حکم سے اب ایف آئی آر درج ہو چکی ہے ان کے ہی حکم سے دو سپاہی میرے ساتھ آئے ہیں۔"

سلیمان شاہ گم صم سا سوچ میں پڑ گیا۔ چار دن پہلے یارسیال کی بہن رانو پنڈ کی ایک عام سی لڑکی تھی۔ دوسری جوان لڑکیوں کی طرح اس کی بھی عزت لوٹی گئی تھی اور اس کی بھی ایف آئی آر درج نہیں کی گئی تھی۔ اب وہ ایک بہت بڑے پولیس افسر کی بھتیجی کی حیثیت سے ظاہر ہوئی تھی اور اس سے زیادتی کرنے والے ملزم خرم کا نام تھانے میں چڑھ گیا تھا۔ عقل کہہ رہی تھی کہ یہ معاملہ تھانے سے آگے نہ بڑھے۔ ورنہ خرم کی دوسری بدمعاشیاں بھی کھل کر سامنے آئیں گی۔ اپنے بیٹے کے تمام کرپشن اور گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بڑی چالیں چلی جا سکتی تھیں۔ لیکن اس کے لئے کچھ وقت کی ضرورت تھی۔ اس وقت تک لازمی ہو گیا تھا کہ یارسیال سے کوئی سمجھوتہ کیا جائے۔

اس بات پر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا تھا کہ یارسیال' نازاں سے شادی کا ارادہ ترک کر دے۔ وہ نازاں کو کسی حال میں چھوڑنے والا نہیں تھا۔ اور رانو کے معاملہ میں بھی اسی طرح بات بن سکتی تھی کہ خرم اسے اپنی شریک حیات بنا لے۔

دور افق پر آسمان جھکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن وہ زمین کی طرف کبھی نہیں جھکتا۔ آسمان کا جھکنا ایک فریب نظر ہوتا ہے۔ سلیمان شاہ نے بھی اسی لمحہ میں طے کر لیا کہ وہ فریب دینے کے لئے جھکے گا۔ اور جھک کر یارسیال کے پورے خاندان کو قبر میں گرائے گا۔

وہ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ "ہم حیثیت والے لوگ ہیں۔ اگر تم پہلے ہی بتا دیتے کہ آئی جی صاحب کے بھتیجے ہو تو تمہاری اونچی حیثیت کو ہم پہلے ہی تسلیم کر لیتے۔ اب تو ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہا۔ تم میرے داماد ہو گے اور تمہاری بہن کو میں بہو بنا کر لے جاؤں گا۔"

"آپ کا یہ فیصلہ سن کر مجھے شکریہ ادا کرنا چاہئے لیکن آپ فیصلے پر عمل کریں گے ہماری شادیاں ہو جائیں گی تو میں آپ کے بہترین اقدامات کا ایک ساتھ شکریہ ادا کروں گا۔"

"جیسا کہ تم سمجھ سکتے ہو۔ شادی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی تیاریاں کرنی ہوں گی۔ اس میں بڑا وقت لگے گا۔"

"کوئی وقت نہیں لگے گا۔ کسی کی آبرو ایک منٹ میں لوٹ لی جاتی ہے۔ نکاح کے تین بول بھی ایک منٹ میں ادا کئے جا سکتے ہیں۔"

"ہمارا خاندان ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا ہوا ہے۔ تمام رشتے داروں کو بلانے اور ان کی رہائش کے انتظامات کرنے اور شادی کی ضروری رسمیں ادا کرنے اور اور......"

"اور کچھ نہیں۔ میں نے نازاں کو تین دن کی مہلت دی تھی۔ آج ایک دن گزر چکا ہے۔ باقی دو دنوں کے بعد اس سے نکاح ہو جانا چاہئے۔"

"بچوں جیسی ضد نہ کرو۔ میں تمہارے چچا آئی جی صاحب سے مل کر شادی کی تاریخ مقرر کروں گا۔"

"وہ آپ کے بیٹے کے لئے وارنٹ جاری کر رہے تھے۔ میں نے ایسا کرنے سے انہیں روکا ہے۔ انہیں یقین دلایا ہے کہ خرم' رانو سے شادی کرے گا۔ یقین نہ ہو تو ابھی آپ ان سے فون پر بات کریں۔"

"میں دو بار رابطہ کر چکا ہوں۔ وہ آج دفتر میں نہیں ہیں۔"

"دفتر میں ہیں۔ آپ سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے ہیں۔ آپ ان کے نمبر ملائیں میں ان سے بات کروں گا۔"

سلیمان شاہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ یارسیال نے آ کر اس سے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ پھر رابطہ ہونے پر بولا۔ "میں یارسیال بول رہا ہوں۔ صاحب کو فون دو۔"

پھر اس نے چند سیکنڈ کے بعد کہا۔ "انکل! اسلام علیکم۔ میں سید سلیمان شاہ کے دفتر سے بول رہا ہوں۔ میں نے آپ سے کہا تھا' قانونی کارروائی نہ کریں۔ وہ رانو کو اپنے خاندان میں قبول کر لیں گے۔ اور واقعی

شاہ جی اسے بہو بنانے کے لئے راضی ہو گئے ہیں۔ لیکن شادی کی لمبی تاریخ رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے صاف کہہ دیا ہے' دو دن کے بعد تیسرے دن ہماری شادیاں ہوں گی۔"

آئی جی نے کہا۔ "بیٹے! دو دن بھی بہت ہیں۔ تم سلیمان شاہ کو نہیں جانتے ہو اس کی پہنچ بہت اوپر تک ہے۔ اس کا بیٹا حدود آرڈیننس کی زد میں آ رہا ہے۔ اس لئے وہ عارضی طور پر جھک رہا ہے۔ اسے دو چار دنوں کی مہلت ملے گی تو وہ یہاں سے میرا ٹرانسفر کرا دے گا۔ بیٹے کے خلاف ایف آئی آر کا رجسٹر ہی جلا ڈالے گا۔ اسے ریسیور دو۔ میں بات کروں گا۔"

اس نے سلیمان شاہ کو ریسیور دیا۔ اس نے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو میں سلیمان شاہ بول رہا ہوں۔ میں نے دو بار آپ سے رابطہ کرنا چاہا۔ پتہ چلا آپ دفتر میں نہیں ہیں۔"

"شاہ جی آپ بہت بڑی ہستی ہیں لیکن میری بھتیجی کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے بعد میں آپ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کر رہا تھا۔"

"آپ غصہ تھوک دیں۔ میں بیٹے کی غلطی کی تلافی کر رہا ہوں۔ آپ کی بھتیجی کو بہو بنانا چاہتا ہوں۔"

"اسی لئے میں ابھی بات کر رہا ہوں۔ میں تمہارے بیٹے کو حدود آرڈیننس کے تحت صرف اسی شرط پر گرفتار نہیں کروں گا کہ کل رات وہ میری بھتیجی سے نکاح پڑھا لے۔"

"کل؟ یعنی صرف چوبیس گھنٹے میں؟ اتنی۔ اتنی جلدی یہ کیسے......"

"صرف ایک بات۔ کل رات نکاح یا پھر حدود آرڈیننس"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ کل ہی سہی۔"

"نکاح کے وقت آپ کے علاقے کے تمام ایم پی اے اور ایم این اے موجود رہیں گے۔ ایسے بااثر افراد کی چشم دید گواہی لازمی ہے۔"

"آپ کی خواہش کے مطابق یہ تمام حضرات موجود رہیں گے لیکن میں اپنی نیک نامی چاہتا ہوں' کسی کو یہ نہ بتایا جائے کہ میرا بیٹا شادی سے پہلے رانو سے زیادتی کر چکا ہے۔ پلیز میری بات سمجھیں۔ اس طرح آپ کی بھتیجی کی بھی عزت رہے گی۔"

"بے شک دونوں خاندانوں کی نیک نامی قائم رہے گی۔ ہماری طرف سے تمہارے بیٹے پر کوئی الزام نہیں لگایا جائے گا۔ لیکن یاد رکھیں' کل ایک ہی میرج ہال میں دو شادیاں ہوں گی۔ آپ رانو کو بہو بنا کر لے جائیں گے۔ ہم نازاں کو بہو بنا کر لائیں گے۔ مغرب کے بعد اور عشاء سے پہلے نکاح پڑھایا جائے گا۔ باقی باتیں یارسیال سے طے کریں۔"

دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ سلیمان شاہ ریسیور رکھ کر وہ تمام باتیں بتانے لگا جو اس کے انکل آئی جی سے طے پائی تھیں۔ وہ خوش ہو کر بولا۔ "انکل نے کمال کر دیا۔ کل ہی ہماری شادی ہو جائے گی۔ اب اور تو کوئی بات طے کرنے کی نہیں رہ گئی ہے؟"

"ایک بات ہے۔ میرے تمام بچوں کے نام ایک ایک کوٹھی ہے۔ خرم' رانو کو دلہن بنا کر اپنی کوٹھی میں لے جائے گا۔ ان سب کی کوٹھیاں

اسلام آباد میں ہیں۔ تم بھی نکاح کے بعد نازاں کے ساتھ اس کی کوٹھی میں جاؤ گے تو وہ خود کو اپنے ہی گھر اپنے ہی ماحول میں محسوس کرے گی۔"

"شادی کے بعد لڑکی کو سسرال کے ماحول میں رہنا چاہئے۔ آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں دلہن کے گھر جاؤں۔"

"تمہاری بہن بھی اسی شہر میں رہے گی۔ تم اس کے قریب رہو گے۔"

وہ بہن کی خاطر سوچ میں پڑ گیا۔ سلیمان شاہ نے کہا۔ "تم ابتدا میں نازاں سے نرمی اور محبت سے پیش آؤ گے۔ اسے خوش کرنے کے لئے اس کے ساتھ جاؤ گے تو اس طرح اس کا دل جیت لو گے۔"

وہ نازاں کا دل ہی جیتنا چاہتا تھا۔ جسم کو جیتنا تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی میں سب ہی اپنی اپنی منکوحہ کو فتح کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنی منکوحہ کا دل جیتنے والے فاتح شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ یارسیال عداوت نہیں کر رہا تھا۔ محبت کر رہا تھا اور محبت کے تقاضے کے مطابق پہلے دل جیتنا لازمی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نکاح کے بعد نازاں کے ساتھ اسلام آباد جانے پر راضی ہو گیا۔

❑*❑

اگرچہ وہ شادیاں چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر ہو رہی تھیں۔ اس کے باوجود کافی مہمان آئے تھے۔ میرج ہال میں شادی کے پوری رونق تھی۔ نازاں اس شرط پر دلہن بننے پر آمادہ ہو گئی تھی کہ صرف نکاح پڑھایا جائے گا۔ یارسیال کو اس کی سیج تک پہنچنے نہیں دیا جائے گا۔

منصوبہ کے مطابق وہ دلہن بن کر اپنے دولہا کو اسلام آباد والی کوٹھی میں لے جانے والی تھی۔ جس کار میں جاتی' اس میں جہیز کا سامان اور قیمتی زیورات ہوتے لاہور سے اسلام آباد کے درمیان جو ڈاکو جہیز اور زیورات لوٹنے والے تھے' وہ سب سلیمان شاہ کے پروردہ ہوتے۔ اس ڈکیتی کی واردات میں نازاں کو بچا لیا جاتا اور یارسیال کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

ایسی واردات کے بعد انکل آئی جی کو تو کیا' ساری دنیا کو تسلیم کرنا پڑتا کہ ڈاکوؤں نے جہیز لوٹنے کے دوران یارسیال کو قتل کیا ہے۔ یہ ایسا مستحکم منصوبہ تھا کہ نازاں اپنے دشمن عاشق کی دلہن بننے پر راضی ہو گئی تھی۔

خرم کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن وہ حدود آرڈیننس کی زد میں تھا۔ انکار کرتا تو زنا کا مرتکب ہونے کی سزا ملتی۔ قید با مشقت بھی ہوتی اور کوڑے بھی لگائے جاتے۔ اس لئے وہ جبراً" دولہا بن کر میرج ہال میں پہنچ گیا تھا۔

اس کی ماں لاثانی بیگم نے تسلی دی تھی۔ اسے سمجھایا تھا۔ "اس باسی دلہن کو دو چار دنوں تک برداشت کرو۔ اس کا باغی بھائی سہاگ رات کو ہی جہنم میں پہنچا دیا جائے گا۔ تمہارے پاپا! صرف چند دنوں میں اوپر والوں تک پہنچ کر اس آئی جی کو معطل کرا دیں گے۔"

"ممی! پولیس کے اتنے بڑے افسر کو معطل کرانا آسان نہیں ہوتا۔"

"جانتی ہوں' مشکل ہے۔ تمہارے پاپا مشکل اور ناممکن کام کر دیتے ہیں۔ فرض کرو' آئی جی کی نگرانی میں کسی بڑے سیاستدان کو قتل کیا جائے تو کیا آئی جی کو معطل نہیں کیا جائے گا؟ اس کی وردی اتارتے ہی تمہارے خلاف لکھائی جانے والی ایف آئی آر کو جلا دیا جائے گا۔ تم اطمینان رکھو' یہ رانو اور یارسیال ہمارے لئے کیڑے مکوڑے ہیں۔ ایسے کیڑے مکوڑے خود ہی ہمارے قدموں تلے آ کر کچلے جاتے ہیں۔"

بڑی منظم سازشوں کے تحت شادیاں ہو رہی تھیں۔ فوٹوگرافر اور وڈیو

فلم والے ایم پی اے اور ایم این اے حضرات کی تصویریں اتار رہے تھے۔ آئی جی اور چند پولیس افسران بھی عام لباس میں تھے۔ مغرب کے بعد پہلے نازاں اور احمد یارسیال کا نکاح پڑھایا گیا۔ اس کے آدھے گھنٹے کے بعد رانو اور خرم کا نکاح پڑھانے کا وقت آیا تو اچانک رانو کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ اپنی ماں کا سہارا لے کر باتھ روم میں آئی۔ متلی ہو رہی تھی۔ واش بیسن پر جھکتے ہی چھوٹی سی قے ہوئی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔

جن عورتوں نے یہ دیکھا وہ سمجھ گئیں دال میں کچھ کالا ہے۔ اسے ایک جگہ لا کر لٹایا گیا۔ سر کے پاس پیڈسٹل فین آن کیا گیا۔ اس تقریب میں بوڑھی تجربہ کار عورتیں بھی تھیں اور لیڈی ڈاکٹر بھی۔ ان سب نے متفقہ بیان دیا کہ رانو کے پاؤں بھاری ہیں۔

لاثانی بیگم کی تو عید ہو گئی۔ لیکن اس نے اپنی مسرتوں کو اپنے اندر دبایا کیونکہ ہونے والی بہو کو بے حیائی کا الزام دیتی تو آئی جی اس کے بیٹے خرم کو دھر لیتا۔ اس نے عورتوں سے کہا کہ یہ بات اس کمرے سے باہر نہ جائے۔ یہ ہماری ہونے والی بہو ہے۔ جو عورت اسے بدنام کرے گی' سلیمان شاہ اس کی شامت لے آئیں گے۔

اس نے سلیمان شاہ' آئی جی اور یارسیال کو اس کمرے میں بلا کر صورتحال بتائی پھر کہا۔ "میں نے یہاں سب کی زبانیں بند کی ہیں۔ مگر یہ بات نہیں چھپے گی۔ ہم تو اسے بہو بنانے آئے ہیں۔ لیکن حاملہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے' نو ماہ بعد جب یہ زچگی سے فارغ

جائے گی تو ہم اس کا نکاح خرم سے پڑھوائیں گے اور دھوم دھام سے بہو بنا کر لے جائیں گے۔"

اس معاملہ میں بحث کی گنجائش نہیں تھی۔ یارسیال شریعت کے خلاف نکاح پڑھانے کی ضد نہیں کر سکتا تھا۔ آئی جی نے مجبور ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ قدرت کو یہی منظور ہے۔ اب نو ماہ بعد ہی رانو دلہن بن سکے گی۔"

اس تقریب میں شریک ہونے والوں سے کہا گیا کہ دلہن بہت بیمار ہے۔ اسے ہسپتال لے جایا جا رہا ہے۔ نکاح ملتوی کر دیا گیا ہے۔ جب وہ صحت یاب ہو گی تو شادی کی دوسری تاریخ مقرر کر دی جائے گی۔

رانو کو ہسپتال لے جانے کے بہانے اس کے ماں باپ اسے گھر لے گئے۔ نازاں اور یارسیال کو وہاں سے اسلام آباد تک سفر کرنا تھا۔ اس لئے رات کے نو بجے انہیں ایک کار میں رخصت کیا گیا۔ اس کار کی ڈکی میں اور پچھلی سیٹ پر جہیز کا سامان تھا' جن میں قیمتی زیورات بھی تھے۔

سفر کی ابتدا میں وہ تنہا نہیں تھے۔ آگے پیچھے بیس گاڑیاں تھیں۔ ان میں وہ رشتے دار تھے' جو گوجرانوالہ' وزیر آباد' گجرات اور جہلم سے شادی میں شریک ہونے آئے تھے۔ اور اب ایک قافلے کی صورت میں واپس جا رہے تھے۔

یارسیال کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ نازاں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کبھی کبھی کن انکھیوں سے اپنی حسین دلہن کو دیکھ رہا تھا۔ وہ نہیں دیکھ

رہی تھی۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین کے پار لگی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر دلہن بننے کی خوشی نہیں تھی۔ اور ملال بھی نہیں تھا۔ ایک اطمینان سا تھا کہ اسلام آباد پہنچنے سے پہلے دشمن سے نجات مل جائے گی۔

اس نے کن انکھیوں سے دیکھ کر کہا۔ "نازاں! میں جانتا ہوں۔ تم خوش نہیں ہو۔ تم احساس برتری کے باعث میری محبت کی سچائی کو سمجھ نہیں پا رہی ہو۔ لیکن میں تمہیں اتنی محبتیں اور مسرتیں دوں گا کہ تم ایک بیوی کی حیثیت سے مجھ پر ناز کرو گی۔"

وہ کچھ نہیں بولی۔ دل میں ناگواری سے "اونہہ" کہہ دیا۔

اس نے جواب کا انتظار کیا۔ پھر کہا۔ "لمبا سفر ہے۔ کچھ بولو۔ راستہ کٹے گا۔"

نازاں نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "احمق سمجھتے ہیں کہ سفر لمبا ہے۔ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ آگے جا کر سفر کہاں مختصر ہو جائے گا۔"

"تم نے بہت اچھی بات کہہ دی۔ اب ہمیں سفر کو مختصر سمجھ کر زیادہ سے زیادہ باتیں کرنا چاہئے۔"

"مجھے زیادہ بولنے کی عادت نہیں ہے۔"

"کم بولو۔ مگر بولو۔ تمہاری آواز بہت میٹھی اور مترنم ہے۔"

وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہوئی لیکن تعریف کرنے والے سے منہ پھیر کر کھڑکی کے پار دیکھنے لگی۔ معشوق کی بے نیازی بھی اچھی لگتی ہے وہ مطمئن تھا کہ وہ کچھ بول تو رہی ہے۔

ایک بار ان کی گاڑیاں گوجرانوالہ میں رکیں۔ وہاں کے رہنے والوں نے کچھ کھانے پینے کے لئے پوچھا۔ لیکن نازاں نے انکار کر دیا۔ اسی طرح وزیر آباد اور گجرات کے رشتے داروں نے گاڑیاں روک کر دولہا دلہن کو دعائیں دیں۔ پھر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ قافلہ بہت مختصر ہو گیا۔ دولہا دلہن کے آگے پیچھے دو گاڑیاں رہ گئیں۔

وہ آگے بڑھنے لگے۔ دریائے جہلم کا پل پار کرنے سے پہلے ہی حملہ ہو گیا۔ تڑاتڑ گولیاں چلنے لگیں۔ آگے والی کار نے تیز رفتاری دکھائی۔ فائرنگ کی پرواہ کئے بغیر طوفانی رفتار سے آگے بھاگتی چلی گئی۔ یارسیال بھی یہی کر سکتا تھا لیکن ایک گولی نے آ کر ونڈ اسکرین کے شیشے کو توڑ دیا۔ دوسری تیسری گولی کار کی باڈی پر لگی۔ نازاں اور یارسیال سیٹ کے سامنے نیچے دبک گئے تھے۔ اس وقت نازاں کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "اگر پاپا کے پالتو ڈاکو ہیں تو یہ میری کار پر کیوں فائرنگ کر رہے ہیں۔ کیا یہ پالتو کتے' اتنا نہیں سمجھتے کہ مجھے بھی گولی لگ سکتی ہے۔"

ایسا سوچنے کے دوران ایک گولی نے کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا۔ قریب ہی ایک شخص کو گولی لگی۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ وہ کار سے ٹکرا کر گر پڑا۔ نازاں نے رونے کے انداز میں چیخ کر پوچھا۔ "کمینو! کتو! میری طرف گولیاں کیوں چلا رہے ہو؟"

یارسیال نے پوچھا۔ "کیا تم ان کی رشتہ دار ہو؟ وہ تو کسی پر بھی گولیاں چلا سکتے ہیں' تم پر بھی چلا رہے ہیں"۔

"نہیں میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے بچالو۔ مجھے چھپالو۔"

"اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر زمین پر گر پڑو۔ پھر ڈھلان کی طرف لڑھکتی چلی جاؤ۔"

"نہیں' زمین پر گرنے اور لڑھکنے سے چوٹیں آئیں گی۔"

"معمولی چوٹوں کی پرواہ نہ کرو۔ میرے پاس ریوالور ہے۔ میں تمہاری حفاظت کروں گا۔"

اس نے کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر دو فائر کئے۔ پھر کہا۔ "اب انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہمارے پاس ہتھیار ہے۔ وہ قریب نہیں آئیں گے۔ پلیز کار سے نکلو۔"

اس نے اپنی طرف کے دروازے کو کھولا لیکن باہر مٹی میں گرنا نہیں چاہتی تھی۔ یارسیال نے اسے دھکا دے کر باہر گرایا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ دوسرے ہی لمحہ میں وہ اس پر آ کر گرا۔ پھر اس سے لپٹ کر ڈھلان کی طرف لڑھکنے لگے۔

وہ ڈاکو چاہتے تھے کہ دونوں کار سے نکل کر چلے جائیں۔ تاکہ مال لوٹ کر فوراً وہاں سے جا سکیں۔ انہوں نے ڈھلان کی طرف لڑھکنے والوں پر فائرنگ کی۔ ایک گولی نازاں کے کان کے قریب سے گزری۔ وہ چیخیں مارنے لگی۔

وہ ڈھلان کے آخری نچلے حصے میں جا کر رک گئے۔ وہ نیچے تھی۔ یارسیال اس پر چھایا ہوا تھا۔ دونوں کے دل ایک دوسرے سے لگ کر

دھڑک رہے تھے۔ وہ اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر ایسے چمٹ گئی تھی' جیسے ڈھال بنا لیا ہو تاکہ گولی آ کر اسے نہ لگے۔

یارسیال سمجھ گیا تھا کہ وہ فائرنگ رینج سے دور آ گئے ہیں۔ نہ گولی ادھر آئے گی۔ نہ وہ فائرنگ کریں گے۔ کار میں رکھا ہوا لاکھوں کا مال سمیٹ رہے ہوں گے۔ ڈاکوؤں کی طرف سے ذرا اطمینان ہوا تو پتہ چلا' وہ آگ سے لپٹا ہوا ہے' بلکہ آگ اس سے لپٹی ہوئی ہے۔

وہ اتنی آسانی سے اتنی جلدی قریب نہ آتی۔ حالات نے اس کی چیز اسے سونپ دی تھی۔ اس ویرانے میں ہوا سائیں سائیں کرتی سنسنی پیدا کرتی ان کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ ان کی سانسیں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ پورے چاند کی رات میں اس کا چاندی جیسا چہرہ چمک رہا تھا۔ گلاب کی پنکھڑیوں جیسے لب ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ ان کی لرزش کہہ رہی تھی۔ "آؤ میرے بدن کے پہلے دروازے پر دستک دو۔"

آنکھیں' دل تک پہنچنے کا پہلا دروازہ۔ لب لعلیں' بدن تک پہنچنے کا پہلا دروازہ۔ اس نے چاہا کہ پہلے دروازے پر دستک دے۔ وہ کترانے لگی۔ اس نے کہا۔ "ابھی میں نے آہٹ سنی ہے۔ شاید کوئی آ رہا ہے۔"

وہ سہم کر کترانا بھول گئی۔ دھڑکتے ہوئے دل سے دستک سننے لگی۔ دستک دینے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ لیکن فاتح بن کر آنے والے دستک کے بجائے زلزلہ پیدا کرتے ہیں۔ وہ یکبارگی تڑپ کر بولی۔ "چھوڑو مجھے۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ تم مجھے ڈرا رہے ہو۔ چھوڑو۔ ہٹو۔"

اس نے چھوڑ دیا۔ اس سے دور ہو گیا۔ اتنی سی دیر میں وہ ہانپنے لگی [illegible] ی۔ ہانپتی ہوئی' لباس درست کرتی ہوئی بولی۔ "جنگلی۔۔۔"

وہ لباس سے مٹی جھاڑتی ہوئی اٹھنے لگی۔ یارسیال نے سر اٹھا کر بلندی [illegible] سمت دیکھا۔ وہاں کچھ لوگ سائے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ ان کی کار [illegible] سے سامان اٹھا اٹھا کر پیچھے کھڑی ہوئی کار میں رکھ رہے تھے۔ یارسیال نے [illegible] "وہ کار لاہور سے ہمارے پیچھے آ رہی تھی اور میں انہیں تمہارا رشتے [illegible] دار سمجھ رہا تھا۔"

وہ دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ "میں بھی دھوکہ کھا گئی۔ انہیں پاپا کے [illegible] ہوئے ڈاکو سمجھ رہی تھی۔ انہوں نے بڑی بے رحمی سے فائرنگ کی [illegible] ہے۔ مجھ پر بھی گولیاں چلائی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو یہاں میری لاش اٹھانے [illegible] والا کوئی نہ ہوتا۔"

نازاں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ قد آور پہاڑ کی طرح [illegible] محسوس ہوا۔ وہ اسے یوں محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ حواس پر چھا [illegible] جائے۔ اس نے فوراً ہی نظریں پھیر لیں۔

وہ سائے کی طرح نظر آنے والے پچھلی کار میں بیٹھ گئے تھے اور کار کو [illegible] ریورس گیئر میں چلا کر لے جا رہے تھے۔ انہوں نے تھوڑی دور جا کر گیئر [illegible] کر کار کو واپسی کے لئے موڑا پھر اس کی رفتار تیز کرتے ہوئے وہاں سے [illegible] گئے۔

یارسیال نے بلندی پر کھڑی ہوئی اپنی کار کو دیکھتے ہوئے نازاں کی

طرف ہاتھ بڑھایا' پھر کہا۔ "آؤ۔ خطرہ ٹل گیا ہے"۔

نازاں نے ہاتھ کو نہیں تھاما۔ اسے نظرانداز کر کے تنہا اوپر چڑھنے لگی۔ وہ سیدھے ہموار راستوں پر بہت کم چلتی تھی۔ کاروں میں گھومنے کی عادی تھی۔ کبھی بلندی پر چڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ چڑھتی ہوئی ذرا اوپر گئی پھر قدم لڑکھڑا گئے' چیختی ہوئی پیچھے کی طرف الٹ گئی۔ اس نے نیچے گرنے کے خوف سے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ لیکن جب کھولیں تو خود کو اس کے بازوؤں میں پایا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ "مجازی خدا کے بغیر آ[illegible] والی خدا کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ شکر کرو' میری آغوش مل رہی ہے۔"

وہ تڑپ کر اس کے بازوؤں سے اتر گئی۔ اپنے بدن کی نرمی اور گرمی کا تاثر دے گئی۔ وہ اپنے نظاروں اور قربتوں سے ہوش اڑا کر الگ رہنا چاہتی تھی۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ایک بازو میں جکڑتے ہوئے کہا۔ "اتنے ہی نخرے دکھاؤ جتنا کہ ایک مرد برداشت کرتا ہے۔"

"چھوڑو مجھے' چھوڑ دو۔"

"نکاح پڑھایا ہے۔ تمہارا باپ بھی نہیں چھڑا سکے گا۔ میرے ساتھ اوپر چلو۔"

وہ اسے سختی سے گرفت میں لے کر اوپر چڑھنے لگا۔ وہ گھسٹتی ہوئی چلتے ہوئی بولی۔ "تم سے میرا باپ نہیں چھڑائے گا۔ موت تو چھڑا سکے گی۔ تم مرو گے۔ تم بے موت مرنے والے ہو۔"

"کیوں سہاگ رات منائے بغیر بیوہ ہونا چاہتی ہو۔ تم نے سفر کے آغاز میں منحوس زبان سے کہا تھا کہ یہ لمبا سفر مختصر ہو سکتا ہے۔ دیکھ لو مختصر ہو رہا ہے۔ پہلے بھی مرنے کی بات کی۔ اب بھی یہی کہہ رہی ہو۔ کیا تمہارے باپ نے میرے لئے گڑھا کھود رکھا ہے؟"

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی گرفت میں گھسٹتی ہوئی اوپر پہنچ گئی۔ کار کی ڈکی اور دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ انہیں بند کر کے اسے دھکا دے کر کار میں بٹھاتے ہوئے بولا۔ "چلو بیٹھو۔ تمہیں محبت سکھانے کے لئے مردانگی دکھانی ہی پڑے گی۔"

اس نے دروازہ بند کیا۔ پھر دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیرنگ سیٹ پر آ گیا۔ کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھانے لگا۔ وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ لاثانی بیگم نے اسے یقین دلایا تھا کہ صرف نکاح پڑھایا جائے گا۔ اسے سہاگ کی سیج تک پہنچنے نہیں دیا جائے گا لیکن بازی پلٹ گئی تھی۔ کرائے کے ڈاکوؤں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔ جہیز کا سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ اور اسے سہاگ کی سیج تک پہنچنے کے لئے زندہ چھوڑ دیا تھا۔"

اس نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اور سوچا۔ "کیا یہ زندہ رہے گا؟ کیا یہ میری کوٹھی میں میرے بیڈ روم میں رہے گا؟ میرے بیڈ پر رہے گا اور میں اسے روک نہیں سکوں گی۔"

وہ گھبرانے لگی۔ یہ خیال آیا کہ تمام میکے والوں کو پیچھے چھوڑ کر آئی ہے۔ آگے کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں ہے اور مدد کیا کرے گا؟ اس کے

شوہر کو پہلی رات سیج پر جانے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ "ہم جہلم میں رکیں گے۔ تھانے میں اس واردات کی رپورٹ درج کرائیں گے۔"

وہ بھی یہی چاہتی تھی۔ وہاں رک کر فون کے ذریعہ اپنے والدین کو بتانا چاہتی تھی کہ بازی پلٹ گئی ہے اور وہ یارسیال سے نکاح قبول کر کے پھنس گئی ہے۔

دونوں اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔ کار جہلم کے پل کو پار کر کے شہر کی طرف بڑھنے لگی۔ ایسے ہی وقت سامنے سے آنے والی دو گاڑیوں سے فائرنگ ہونے لگی۔ وہ کرائے کے قاتل تھے' ڈاکو بن کر یارسیال کو قتل کرنے آئے تھے۔ انہوں نے جہلم شہر سے باہر مورچہ بنایا تھا اور یہ سوچ رکھا تھا کہ ان کی کار دریا کا پل پار کر کے آگے بڑھے گی تو فائرنگ کے ذریعہ اسے آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔

اب وہ یہی کر رہے تھے۔ دو گاڑیاں راستہ روک کر کھڑی ہو گئیں۔ یارسیال کو مجبوراً رکنا پڑا۔ ان کے درمیان بیس یا پچیس گز کا فاصلہ تھا۔ وہ تعداد میں کئی تھے اور مسلح تھے۔ ایک نے للکار کر کہا۔ "کار سے باہر آؤ۔ نہیں آؤ گے تو ہم گولیاں چلائیں گے۔"

نازاں نے سوچا۔ یہ ڈاکو ہمارے زر خرید ہیں۔ اسی لئے میری خاطر گولیاں نہیں چلا رہے ہیں۔ اگر میں اسے باہر جانے کے لئے کہوں تو وہ اسے تنہا دیکھ کر گولی ماریں گے۔"

وہ یارسیال سے بولی۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ تم باہر جاؤ۔ ان سے پوچھو کیا چاہتے ہیں؟"

"اس کار میں ایک تم ہی قیمتی چیز رہ گئی ہو۔ جب مال و زر نہیں ملتا تو ڈاکو عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ بچاؤ کا وہی پہلا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ہمیں کار سے نکلتے ہی ڈھلان کی طرف لڑھکنا ہو گا۔"

"پہلے تم باہر جا کر پوزیشن لو تاکہ وہ مجھ پر گولی چلانا چاہیں تو تم جوابی فائرنگ کر سکو۔"

"کیا میں کہیں مورچہ بنانے کے لئے تمہیں تنہا چھوڑ کر جاؤں گا۔ اپنی عقل مجھے نہ سکھاؤ۔ اور ابھی تو تمہیں ڈر لگ رہا تھا۔ پھر تم یہاں تنہا کیسے رہو گی؟"

ان مسلح ڈاکوؤں میں سے ایک آگے بڑھتا ہوا کار کی طرف آنے لگا۔ یارسیال نے کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر فائر کیا۔ آنے والا چیخ مار کر اپنے بازو کو تھام کر پلٹ گیا۔ پھر وہاں سے بھاگنے لگا۔ کہنے لگا۔ "ہمیں کہا گیا تھا کہ وہ نہتا ہو گا۔ اس کے پاس تو ہتھیار ہے۔"

دوسرے مسلح ڈاکو نے کہا۔ "بی بی جی! ہم آپ کے غلام ہیں۔ آپ کو اسلام آباد خیریت سے پہنچانا چاہتے ہیں۔ صاحب سے کہیں گولیاں نہ چلائیں۔"

وہ بولی۔ "وہ مجھے مخاطب کر رہے ہیں۔ پاپا کے ملازم ہوں گے تم گولی نہ چلاؤ۔"

"انہوں نے تمہیں بی بی جی کہا اور تم نے انہیں اپنا تابعدار مان لیا۔ باہر نکلنے کی غلطی نہ کرنا۔ میں گاڑی ریورس گیئر میں لے رہا ہوں۔"

اس نے کار اسٹارٹ کی۔ لیکن اس سے پہلے کہ گیئر کو ریورس میں لیتا۔ نازاں اچانک دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ یارسیال نے انجن بند کر کے آواز دی۔ "نازاں! کیا کر رہی ہو۔ فوراً اندر آؤ۔ وہ گولیاں چلائیں گے۔"

لیکن وہ گولیاں نہیں چلا رہے تھے۔ اور وہ ان کی طرف دوڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ یارسیال نے حیرانی سے دیکھا۔ اسے چیخ چیخ کر آوازیں دیں۔ لیکن وہ سمجھ گئی تھی کہ اسے بی بی جی کہنے والے اس کے زر خرید ہیں۔ وہ جیسے ہی ان کے قریب پہنچی۔ انہوں نے یارسیال کی طرف فائرنگ شروع کر دی۔

اس نے فوراً ہی کار اسٹارٹ کی۔ اسے تیزی سے ریورس گیئر میں نہیں چلایا جا سکتا تھا۔ اس لئے ایک ٹرن دے کر کار کو فائرنگ کے رخ پر کیا۔ پھر دروازہ کھول کر اس کی آڑ میں جوابی فائرنگ کی۔ وہاں سے کود کر ڈھلان کی طرف جانے لگا۔

وہ سب گاڑیوں سے کود کر ڈھلان کی طرف اسے گھیرتے ہوئے فائرنگ کرنے لگے۔ وہ نیچے جا کر جھاڑیوں کے درمیان گم ہو گیا تھا۔ ریوالور کے چیمبر میں صرف دو گولیاں رہ گئی تھیں۔ وہ انہیں اہم موقع کے لئے بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

ان ڈاکوؤں کی ایک گاڑی واپس مڑ کر جہلم شہر کی طرف جا رہی تھی۔

وہ سمجھ گیا کہ سنگدل محبوبہ اسے موت کے منہ میں چھوڑ کر جا رہی ہے۔ ان ڈاکوؤں نے اس وقت تک اس پر فائر نہیں کیا تھا' جب تک نازاں اس کے پاس تھی۔ وہ اسے نہیں صرف اس کے سہاگ کو گولی مارنا چاہتے تھے۔

چاندنی رات کے باوجود جھاڑیوں کے سائے میں تاریکی تھی۔ قدموں کی آوازیں اور جھاڑیوں کی سرسراہٹ دور تک پھیل رہی تھی۔ یارسیال کے قدموں کی آہٹ نہیں تھی۔ وہ چاروں ہاتھ پاؤں سے رینگ رہا تھا۔ ایک دشمن للکار کر کہہ رہا تھا۔ "یارسیال! تو بچ کر نہیں جائے گا۔ ہتھیار پھینک کر سامنے آ جا۔"

وہ رینگتا ہوا ان سے دور نکل رہا تھا۔ دشمن کی زبان سے اپنا نام سن کر پورا یقین ہو گیا کہ وہ سب بی بی جی کے غلام ہیں اور اسے قتل کرنے کی باقاعدہ پلاننگ کی گئی ہے۔

اس کی چال بے آواز تھی۔ وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر جھاڑیوں سے نکل کر پھر چڑھائی کی طرف دوڑنے لگا۔ ایک نے چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھو۔ گاڑی کی طرف جا رہا ہے۔"

کئی گنوں سے فائرنگ ہونے لگی۔ وہ گرتا پڑتا اپنی کار تک پہنچ گیا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اندر آ کر اسے بند کیا۔ چابی گھمائی پھر اسے اسٹارٹ کر کے ایک ٹرن دے کر جہلم شہر کی طرف جانے لگا۔

فائرنگ کرنے والے بھی دوڑتے ہوئے آ کر ایک گاڑی میں بیٹھنے لگے۔ ان کے سربراہ نے کہا۔ صرف چار نشانہ باز چلیں۔ باقی اتر جائیں۔

باقی اتر گئے۔ وہ گاڑی اسٹارٹ ہو کر یارسیال کے تعاقب میں دوڑنے لگی۔ اس عاشق نامراد کے آگے معشوق تھی اور قاتل پیچھے تھے۔ پیچھے سے کئی بار فائرنگ ہوئی۔ اس نے سوچا پہلے قاتلوں سے پیچھا چھڑایا جائے۔ بعد میں اسلام آباد پہنچ کر نازاں سے نمٹ لے گا۔

شہر میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا لاری اڈے میں پہنچا۔ تعاقب کرنے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ فوراً ہی کار سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا منجی ہوٹل میں پہنچا۔ ایسے منجی ہوٹلوں میں رات گزارنے کے لئے ایک چارپائی کے پانچ روپے لئے جاتے ہیں۔ اس نے ہوٹل کے مالک کو پانچ روپے دیئے اور ایک چارپائی پر جا کر لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا۔

وہاں سے لاری اڈہ اور اس کی کار نظر آ رہی تھی۔ تعاقب کرنے والوں نے اس کار کو دیکھ کر گاڑی روک لی۔ گاڑی سے اتر کر ادھر ادھر اسے تلاش کرنے لگے۔ ان میں سے ایک تلاش کرنے والا بھٹکتا ہوا منجی ہوٹل کے پاس آیا۔ اور منجی پر سونے والوں پر نظریں دوڑانے لگا۔

اس نے ایک کے منہ پر سے لحاف ہٹا کر دیکھا۔ ہوٹل کے مالک نے پوچھا "باؤ! کیا بات ہے؟ خیر تو ہے؟"

"ایک بندے کی تلاش ہے"۔

اس نے یارسیال کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی چارپائی کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ لحاف کے اندر سے اسے آتے دیکھ رہا تھا۔ ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اگر وہ لحاف ہٹانے کے لئے ہاتھ بڑھاتا تو وہ ریوالور استعمال

کرنے میں دیر نہ کرتا۔

لیکن قریب پہنچتے ہی وہ چونک کر پلٹ گیا۔ وہ کار اسٹارٹ ہو کر جا رہی تھی۔ ایک دشمن نے چیخ کر کہا۔ "اوئے شیدے! جلدی آ۔ وہ نس رہا ہے۔"

وہ اپنی گاڑی کی طرف دوڑنے لگا۔ یارسیال نے منہ پر سے لحاف ہٹا کر دیکھا۔ حیرانی سے سوچنے لگا۔ "کون لے گیا ہے وہ کار؟ کس بیچارے کی شامت آ گئی ہے؟"

وہ شامت کا مارا تیزی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر کپڑے کی ایک چھوٹی سی گٹھری رکھی ہوئی تھی۔ اس میں سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی جھانک رہی تھی۔ اس کی گھبراہٹ' فرار ہونے کا یہ انداز اور نوٹوں کی گڈیاں ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ کہیں سے ڈاکہ ڈال کر آ رہا ہے۔

اس کار کا رخ اسلام آباد کی طرف تھا۔ وہ کامیاب ڈاکہ ڈالنے کے بعد دور نکل جانا چاہتا تھا۔ فائرنگ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ پیچھے آنے والی گاڑی سے فائر ہوا تھا۔ اسی وقت دوسرا فائر ہوا۔ اس نے رفتار اور بڑھا دی۔ پیچھے ہیڈ لائٹس کے باعث فائر کرنے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا' پولیس پیچھے پڑ گئی ہے۔

وہ طوفانی رفتار سے چلانے لگا۔ ایسی رفتار کے دوران اسٹیرنگ پر قابو رکھنا پڑتا ہے۔ تیسرے فائر کے نتیجے میں پچھلا ایک پہیہ برسٹ ہو گیا۔

اسٹیرنگ بہک گیا۔ بریک لگانے سے پہلے راستے کے اس طرف کار گھوم گئی' جہاں گہری کھائی تھی۔ پھر وہ شامت کا مارا اسے کھائی میں گرنے سے نہ روک سکا۔

کار کے اندر اس کی آخری چیخ سنائی دی۔ پھر وہ نیچے چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی گہری پستی میں پہنچی۔ پٹرول کی ٹنکی پھٹنے کا زبردست دھماکہ ہوا اور وہ کار شعلوں میں گھر کر جلنے لگی۔

❑*❑

نازاں نے جہلم کے ایک تھانے میں جاکر رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اسلام آباد جارہی تھی جہلم کا پل پار کرتے ہی ڈاکوؤں نے حملہ کردیا۔ وہاں سے گزرنے والی گاڑیوں میں سے ایک میں اسے پناہ مل گئی۔ اور ایک شریف آدمی اسے بچاکر تھانے تک لے آیا ہے۔

اس سے پوچھا گیا۔ "خاوند کہاں ہے؟"

"میں نے آخری بار دیکھا' وہ ڈاکوؤں سے مقابلہ کررہا تھا۔ پلیز فوراً وہاں پولیس پارٹی کو بھیجیں۔ میرے شوہر کی جان بچائی جاسکتی ہے۔"

ایک پولیس پارٹی فوراً ہی ادھر روانہ ہوگئی۔ نازاں نے وہاں سے باپ کے فون پر رابطہ کیا۔ پھر کہا۔ "میں جہلم کے ایک تھانے سے بول رہی ہوں۔ ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کیا تھا۔ میں بچ کر تھانے پہنچ گئی ہوں۔

یارسیال ڈاکوؤں میں گھر گیا تھا۔ ان سے مقابلہ کررہا تھا یہاں سے ایک پولیس پارٹی اسکی مدد کے لئے گئی ہے۔ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے۔"

سلیمان شاہ نے رازداری سے پوچھا۔ "بیٹی! حملہ کرنے والے وہی تھے نا؟"

اس نے مختصر سا جواب دیا۔ "جی ہاں۔"

"کیا اسے اچھی طرح گھیر لیا گیا تھا؟ بچ نکلنے کا چانس تھا؟"

"پاپا! کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ وہ بڑا ضدی اور زبردست ہے۔"

"تم وہیں پولیس والوں کی پناہ میں رہو۔ میں دوسری کار بھیج رہا ہوں اور یارسیال کے انکل آئی جی کو بھی بھیج رہا ہوں۔ اس کے پہنچنے تک بھیجے کا کام تمام ہوچکا ہوگا۔"

آئی جی کے وہاں پہنچتے تک صبح ہوگئی۔ جہلم کے پل کے پاس پولیس پارٹی کو یارسیال اور ڈاکو نظر نہیں آئے لیکن ایک گھنٹے بعد اطلاع ملی کہ ایک کار گہری کھائی میں گر کر آگ کی لپیٹ میں آگئی ہے۔

ایک بدمعاش جو شریف آدمی بن کر نازاں کو پولیس اسٹیشن لایا تھا۔ اس نے چپکے سے بتایا۔ "بی بی جی! کام ہوگیا۔ میرے بندوں نے بتایا ہے۔ وہ کار سمیت سڑک کے کنارے والی کھائی میں گر گیا ہے۔ جل کر مرگیا ہے۔"

اس کی موت کی خبر سن کر وہ گم صم سی رہ گئی۔ نہ اسے خوشی ہوئی' نہ ہی صدمہ ہوا۔ اس نے خود کو اپنے اندر خالی خالی سا محسوس کیا۔ آئی جی صبح

وہاں پہنچ کر پولیس پارٹی کے ساتھ جائے حادثہ پر پہنچا۔ چند پولیس والے بڑی مشکل سے اس کھائی میں اترے۔ انہوں نے جلی ہوئی کار اور جلی ہوئی لاش کی تصویریں لیں۔ لاش ناقابل شناخت تھی۔ لیکن کار کی نمبرپلیٹ سے تصدیق ہوگئی کہ وہ نازاں کو جہیز میں دی ہوئی کار تھی اور اسے ڈرائیو کرنے والا اور موت کے منہ میں جانے والا یارسیال ہے۔

آئی جی نے یہی رائے قائم کی کہ وہ ڈاکوؤں سے بچ کر کار میں فرار ہورہا تھا۔ ڈاکو اس کا پیچھا کررہے تھے۔ اسی بھاگ دوڑ میں کار کو حادثہ پیش آگیا۔

یارسیال کے بوڑھے ماں باپ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ وہ دھاڑیں مار کر رونے کے سوا اور کر بھی کیا سکتے تھے؟ جوان بیٹا عین شادی کی رات حادثے کا شکار ہوگیا تھا۔

مردے نہیں بولتے۔ یارسیال بھی نہیں بول رہا تھا۔ اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ اپنوں سے اور دشمنوں سے دور رہ کر سوچ رہا تھا۔ "زندگی اس لئے نہیں پائی کہ ایک معشوق سے شکست کھاکر زندہ رہے۔ میری جگہ مرنے والا نہ ہوتا تو میں ہی شاید مارا جاتا۔ ایک طرح سے یارسیال کی موت ہوچکی ہے۔ اور جو یارسیال زندہ ہے' وہ ایک ایک سے انتقام لے گا۔ مجھے کچھ روز روپوش رہ کر ایک ٹھوس منصوبہ بنانا چاہئے۔"

اس کی نگاہوں کے سامنے نازاں کی صورت تھی۔ خدا حسن دیتا ہے تو غرور بھی دیتا ہے۔ وہ تو غرور کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ ایک بار جسے کمتر سمجھ

لیتی تھی پھر اسے اپنے برابر کا درجہ نہیں دیتی تھی۔ برابر کا مطالبہ کرنے والوں کو اس خاندان سے موت ہی ملتی تھی۔

وہ قسم کھانے لگا کہ اسے بلندی سے انتہائی پستی میں گرائے گا وہ غرور کے جس شیش محل میں ہے' اسے چکنا چور کردے گا اور اس سے تسلیم کرائے گا کہ یہ جو عام انسان عام سے گھروں میں رہتے ہیں اور فٹ پاتھ پر چلتے ہیں' اس سے افضل اور برتر ہیں۔

اسی شام لاثانی بیگم نے یارسیال کے ماں باپ کو بلایا اور کہا۔ "نازاں اور یارسیال کو میاں بیوی بنتے سب نے دیکھا ہے۔ لیکن ہم ساری دنیا کو یہ نہیں سمجھا سکتے کہ انہوں نے سہاگ رات نہیں گزاری ہے۔ لہٰذا مذہبی احکامات کے مطابق ہم نازاں کو چار ماہ دس دن نامحرموں سے پردہ کرائیں گے۔ وہ عدت کے چار ماہ دس دن تنہا کنیزوں کے ساتھ اسلام آباد والی کوٹھی میں رہے گی۔"

یارسیال کی ماں نے کہا۔ "ایسا کرنا مناسب ہے۔ میرے بیٹے نے بڑے ارمانوں سے اسے دلہن بنایا تھا۔ مگر ہمارے نصیب بھی ہماری طرح کھوٹے ہیں۔"

وہ ماں باپ بیٹے کی موت پر روتے ہوئے گھر واپس آئے تو ان کے ذہن کو ایک اور جھٹکا لگا۔ ان کی بیٹی رانو چھت کی شہتیر سے بندھے ہوئے پھندے سے لٹک رہی تھی۔ مردہ ہوچکی تھی۔ ماں نے اپنا سینہ کوٹ لیا۔ باپ دیوار سے سر ٹکرانے لگا۔ محلے والوں نے اسے پکڑا۔ وہ کہنے لگا۔

"میری بیٹی نے خودکشی نہیں کی ہے۔ اسے قتل کیا گیا ہے۔"

آئی جی نے اس سلسلے میں تحقیقات کی۔ اس کی موت خودکشی ثابت ہورہی تھی۔ ایک آدھ نے دبی زبان میں کہا۔ "بیچاری شرم والی تھی۔ ناجائز بچے کو جنم نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لئے خودکشی کرلی۔"

یارسیال نے ایک اخبار میں رانو کی خودکشی کی خبر پڑھی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ اس کے دماغ میں یہ بات گونجنے لگی کہ وہ پھندے پر خود نہیں چڑھی۔ ظالموں نے اسے جبراً چڑھایا ہے اور اس قتل کو خودکشی کا نام دے رہے ہیں۔

اور اگر اس حیا والی نے اس لئے خودکشی کی ہے کہ اسے بے حیائی کے طعنے مل رہے تھے تو بے حیائی خرم نے کی تھی۔ وہ خرم کا ناجائز بچہ تھا۔ وہ ناجائز بچے کی بدنامی کا بوجھ نہ اٹھاسکی اور مرگئی۔

وہ دانت پیس کر بولا۔ "نازاں! تو بھی بوجھ اٹھائے گی ایک ناجائز بچے کا۔۔۔"

انسانوں کی دنیا میں انسانوں کے وہ بچے جو ماں کے پیٹ میں ہوتے ہیں' انہیں بھی پیدا ہونے سے پہلے سولی پر چڑھادیا جاتا ہے۔ خودکشی ماں کرتی ہے۔ بچہ خودکشی نہیں کرتا' وہ تو اس دنیا میں آنا چاہتا ہے۔ پھر کس جرم کی پاداش میں اس بچے کو سولی پر چڑھایا جاتا ہے؟

جو بچہ ابھی عالم ارواح میں ہے اور تیری کوکھ میں اترنے کو ہے' اس کی خیر ہو۔

ایک پھندا تیرے لئے بھی ہے نازاں!

سلیمان شاہ اور لاثانی بیگم نے یارسیال کے معاملات میں مکمل کامیابی حاصل کی تھی۔ اس کے پورے خاندان کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ جوان بیٹے اور بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار کر بوڑھے ماں باپ کی کمر توڑ دی تھی۔

سلیمان شاہ نے لاثانی بیگم سے کہا۔ "میں نے وارننگ دی تھی کہ تین دنوں کے اندر میرے ایک کروڑ روپے واپس کئے جائیں۔ اگر تم واپس نہیں کروگی تو طلاق دیکر اس کوٹھی سے اور اپنی جاگیر سے باہر نکال دوں گا۔"

وہ بولی۔ "آپ تو بس ایک ہی ضد پکڑ لیتے ہیں۔ آپ یہ دیکھیں کہ ہم نے کتنی بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ مٹی کے کیڑے رینگتے ہوئے ہماری کوٹھی میں آرہے تھے لیکن دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے ہی ہم نے ان کیڑوں

کو کچل دیا ہے۔ آپ خوشی کے موقع پر طلاق کی بات نہ کریں۔"

"جاگیر کے معاملات سے خوشی اور غم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد صدیوں سے باغیوں کو کیڑوں مکوڑوں کی طرح کچلتے رہے ہیں۔ ہم نے بھی اسی روایت کے مطابق یارسیال کے خاندان کو مٹی میں ملایا ہے۔ یہ ہمارا کوئی نیا اور انوکھا کارنامہ نہیں ہے۔ تم اس کا حوالہ دے کر ایک کروڑ کی ادائیگی سے نہیں بچوگی۔"

"آپ ایسے بھی سنگدل نہ بنیں۔ میں جاگیر کی معمولی رعایا نہیں ہوں۔"

"طلاق کے بعد مالکہ نہیں' ایک عام سی عورت کہلاتی ہو۔"

"مجھے ادائیگی کے لئے کچھ اور مہلت دیں۔ خرم نے وہ رقم ایک کاروبار میں لگادی ہے۔"

"مجھے تم سے اور تمہارے بیٹے کے کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف اپنی رقم چاہئے۔ کل ادائیگی کا آخری دن ہے۔ شام تک ادائیگی ہوجائے ورنہ اپنی رخصتی کا سامان باندھ لو۔"

وہ وارننگ دے کر بیڈ روم سے باہر آیا۔ پھر زینے سے اتر کر ڈرائنگ روم میں پہنچا۔ وہاں تمام بیٹیاں اور بیٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑی بیٹی شینا نے کہا۔ "پاپا! جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے' وہ نہیں ہونا چاہئے۔ آپ ممی کو طلاق دیں گے تو ہماری توہین ہوگی۔ دنیا ہمارا مذاق اڑاتی ہے۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "ہم دنیا والوں کے سامنے برسوں سے تماشہ بنے

ہوئے ہیں۔ تم سب پیدا نہیں ہوئے تھے' تب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ میں نے تمہاری ماں کو اپنی جاگیر کی تمام ذمہ داریاں سونپی تھیں۔ لیکن اسے اقتدار حاصل ہوا تو وہ باؤلی ہوگئی۔ جاگیرداری کے مسائل حل کرنے کے لئے میرے خزانے سے جو بڑی رقمیں نکالتی تھی۔ ان سے مسائل حل نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنے ذاتی معاملات میں رقمیں خرچ کرتی تھی۔ میں نے اسے وارننگ دی۔ تب بھی وہ راہ راست پر نہ آئی تو میں نے اسے طلاق دیدی۔"

"وہ آپ لوگوں کی جوانی کا دور تھا۔ ایک بار طلاق ہوئی۔ پھر شادی ہوئی۔ لیکن بار بار ایسا ہو تو یہ بات مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔ یہ سلسلہ آپ کے بڑھاپے تک جاری ہے۔ اب تو تھک جانا چاہئے۔ بے دم ہوکر یہ سلسلہ ترک کردینا چاہئے۔"

"ایک صرف تمہاری ماں کی ہی بات نہیں ہے۔ تمہاری سوتیلی ماں بھی یہاں آکر مالکہ بنتی ہے تو یہی سلسلہ رہتا ہے۔ اقتدار میں رہ کر لوٹ مار کا سلسلہ کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں بھی تازہ دم رہتا ہے۔"

اس نے تمام اولاد پر ایک نظر ڈالی۔ پھر کہا۔ "کبھی تم سب لوٹتے ہو۔ کبھی تمہاری سوتیلی ماں اور اس کی اولاد لوٹ مار مچاتی ہے۔ کبھی تمہاری ماں آجاتی ہے۔ کبھی وہ دوسری چلی آتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"اس لئے ہوتا ہے کہ پہلی غلطی میں نے ہی کی۔ دو ہی عورتوں کو بیویاں بناکر بھروسہ کرتا رہا جبکہ میں دوسری شادیاں کرکے کوئی ایسی سگھڑ اور معاملہ

فہم شریک حیات لاسکتا تھا' جو میری جاگیر پر کبھی تباہی نہ آنے دیتی۔

لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ دونوں عورتوں کے میکے والے اتنے تگڑے ہیں کہ وہ کسی تیسری عورت کو میری شریک حیات بننے کا موقع ہی نہیں دیتے۔ میری طرف آنے کا تیسرا راستہ بند کردیتے ہیں۔ تم سب بھی جوان ہوکر اپنے ننھیال والوں کی طرح تیسرا راستہ بند کرتے رہتے ہو۔ لیکن بہت ہوچکا۔ اب نہیں ہوگا۔"

اب انقلابی تبدیلیاں آئیں گی۔ اس بار تمہاری ماں کی چھٹی ہوگی تو نہ وہ لوٹ کر آئے گی اور نہ وہ دوسری آسکے گی۔ میں تیسری لے کر آؤں گا۔"

"کیا آپ تیسری کا انتخاب کرچکے ہیں؟"

"کرنے والا ہوں۔ وہ ذہین اور معاملہ فہم ہوگی۔ میری جاگیر کے معاملات کو بحران سے نکالے گی۔"

"پاپا! جس جاگیر میں اعلیٰ تعلیم کا کوئی سلسلہ نہ ہو۔ جہاں ذہانت کو زنگ لگانے کا سسٹم رائج ہو' وہاں سے کوئی ایسی تازہ دم صلاحیت نہیں ملے گی' جو آپ کے معاملات کو بحران سے نکال سکے۔"

"اپنی جاگیر کو تباہی سے بچانے کے لئے میں اپنے منصوبے کے مطابق تیسری لاؤں گا۔ تمام مخالفتوں کے باوجود وہ تیسری ضرور آئے گی۔"

یہ کہہ کر وہ باہر جانے لگا۔ لاثانی بیگم نے زینے پر سے کہا۔ "آپ جس کا بھی انتخاب کریں گے' وہ غلط ہی ہوگی۔ کیونکہ ایک غلط آدمی کبھی صحیح انتخاب نہیں کرسکتا۔ آپ کے اندر جیسا جھوٹ' جیسی بے ایمانی اور جیسا

کرپشن ہے' ویسی ہی آپ کو شریک حیات ملے گی۔"

خرم نے کہا۔ "ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ ہم سے انتخابات کرائے جاتے ہیں۔ ہم اپنی ماں کے حق میں بولتے ہیں۔ ہمارے سوتیلے اپنی ماں کی حمایت کرتے ہیں لیکن آپ اسی کو شریک حیات بناتے ہیں۔ جس کے حق میں آپ پہلے سے فیصلہ کرچکے ہوتے ہیں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کوٹھی کے باہر آگیا۔ ایک باوردی ملازم نے ایک نہایت قیمتی کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔ وہ اندر بیٹھ گیا۔ آگے پیچھے مسلح گارڈ کی دو گاڑیاں تھیں۔ لاثانی بیگم اور اس کی تمام اولاد دروازے پر آکر اسے دیکھنے لگیں۔ وہ سب یہ سوچ کر کڑھ رہے تھے کہ ایسی شاہانہ طرز کی زندگی کل کے بعد نصیب نہیں ہوگی۔

سلیمان شاہ مسلح گارڈز کے ساتھ چلا گیا۔ لاثانی بیگم نے پاؤں پٹخ کر کہا۔ "میں طلاق نہیں لوں گی۔ کوئی مذاق ہے۔ میں نے اتنے بچے کس لئے پیدا کئے ہیں؟ اس لئے کہ میری حمایت کرنے والے زیادہ ہوں اور میری حمایت کرنے والے بہت ہیں۔"

تمام بیٹیاں اور بیٹے کہنے لگے کہ وہ کل طلاق نہیں ہونے دیں گے۔ خرم نے کہا۔ "پاپا کو ممی کی کسی بھی غلطی اور کمزوری کے ٹھوس ثبوت پیش کرنے ہوں گے۔ اور ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ان پچاس پچاس لاکھ کے دو چیک پر میرے نہیں پاپا کے دستخط ہیں۔"

ظفر نے کہا۔ "آپ اتنا سفید جھوٹ پاپا کے سامنے نہیں بول سکیں

گے۔"

"ضرور بول سکتا ہوں۔ لیکن میں صبح کی فلائٹ سے کراچی جارہا ہوں۔ شینا اور فرح بھی میرے ساتھ جارہی ہیں۔"

لاثانی نے پوچھا۔ "یہ اچانک کراچی کیوں جارہے ہو؟"

"پاپا کے منتظم اعلیٰ عبور خان نے فرح کے لئے ڈیفنس میں ایک کوٹھی کا سودا کیا ہے۔ ہم فرح کو کاغذی کارروائی کے لئے لے جارہے ہیں۔"

"بیٹے کل میرے لئے قیامت کا دن ہے اور تم تینوں جارہے ہو۔"

"ممی کل آخری دن ہے۔ پاپا دن ختم ہونے کے بعد ہی طلاق دینا چاہیں گے اور ہم شام تک واپس آجائیں گے۔"

ظفر نے کہا۔ "پاپا شام کے بعد ہی ممی کا کچھ بگاڑیں گے۔ شام سات بجے وہ ہمارے ساتھ ایک تقریب میں جارہے ہیں۔"

"تھینکس گاڈ!" لاثانی بیگم نے خوش ہوکر کہا۔ "بیٹے! پینے پلانے کی محفل ہوگی کوشش کرنا کہ تمہارا باپ زیادہ پی لے۔ کل کی رات گزر جائے بس پھر پرسوں دیکھا جائے گا۔"

لاثانی بیگم بڑی جوڑ توڑ والی عورت تھی۔ اس نے بھی کچھ ایسے انتظامات کئے تھے کہ سلیمان شاہ اسے طلاق دیکر کوٹھی سے نہ نکال سکے۔ یہ انتظامات کل شام تک مکمل ہونے والے تھے۔ اس لئے وہ پرسوں تک مہلت چاہتی تھی۔

❑*❑

وہ سہاگ کی رات لہو میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شادی ہنگامی طور پر ہوئی تھی۔ اس لئے نازاں کو مہندی نہ لگانے کا بہانہ مل گیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے یارسیال کے لہو سے ہاتھ رنگ لئے تھے۔

دلہن سہاگ کی پہلی رات نہیں سوتی۔ دولہا محبتوں اور شرارتوں سے سونے نہیں دیتا۔ اس مقتول دولہا نے بھی اسے ساری رات جگائے رکھا۔ وہ سفر کرتی رہی' رکتی رہی' دوڑتی رہی' موت کے ظالمانہ کھیل میں ہانپتی رہی' کانپتی رہی' تھانے میں اور انکل آئی جی کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتی رہی اسے رات جاگنے کی عادت نہیں تھی۔ صبح دس بجے اسلام آباد والی کوٹھی میں پہنچ کر بستر پر ایسی گری کہ شام چھ بجے تک گہری نیند سوتی رہی۔

نیند کے آخری حصے میں اس نے یارسیال کو دیکھا۔ وہ زنجیروں میں

جکڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "نازاں! موت کی ان زنجیروں نے مجھے جکڑ رکھا ہے۔ یہ مجھے زندگی کی طرف نہیں آنے دے رہی ہیں۔ لیکن میں انہیں توڑ رہا ہوں اور تیری طرف آنے والا ہوں۔"

وہ زنجیریں توڑنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ پریشان ہورہی تھی۔ سہم کر کہہ رہی تھی۔ "نہیں۔ انہیں نہ توڑو۔ میرے پاس نہ آؤ۔ موت کی بندشوں میں مجھے دور سے دیکھتے رہو۔"

"تم دور سے دیکھنے کی چیز نہیں ہو۔ تمہارا جسم میری امانت ہے۔ میں اپنی امانت حاصل کرنے کے لئے زندگی کی طرف لوٹ رہا ہوں۔ دیکھو موت کو شکست دے رہا ہوں۔"

ایسا کہتے ہوئے اس نے پیروں میں پڑی ہوئی بیڑیاں توڑ ڈالیں۔ ان سے نجات ملتے ہی وہ موت کے اندھیرے سے زندگی کے اجالے کی طرف آنے لگا۔ وہ خوف زدہ ہوکر بولی۔ دور جاؤ۔ مجھ سے دور رہو مجھے تم سے ڈر لگتا ہے۔"

وہ روشنی میں کھڑی ہوئی تھی اس کے قدم ایک جگہ جم گئے تھے وہ وہاں سے ہل نہیں سکتی تھی۔ کوئی نامعلوم سی قوت نے اسے ایک ہی جگہ جکڑ لیا تھا۔ وہ قریب آرہا تھا اور وہ ذرا پیچھے ہٹنے اور کترانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ ایسی ہی حالت میں وہ زنجیروں کو کھینچتا ہوا اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ موت کے اندھیرے سے زندگی کی روشنی میں آتے ہی زنجیروں سمیت اس سے لپٹ گیا۔

اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ پھر وہ ہڑبڑا کر آنکھیں کھولتی ہوئی بستر پر اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وحشت زدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی اور سمجھنا چاہتی تھی کہ کہاں ہے؟

دماغ نے سمجھایا کہ وہ بیڈ روم میں ہے۔ اور یارسیال اس سے لپٹا ہوا نہیں ہے۔ وہ مطمئن ہوکر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ دل ہی دل میں کہنے لگی۔ "تھینکس گاڈ! یہ خواب تھا وہ تو مرچکا ہے۔"

اس نے پہلے کبھی اسے خواب میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ کچھ اس طرح حواس پر چھا گیا تھا کہ خواب میں چلا آیا تھا۔

اس نے دھڑکتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔ میں نے پہلے کبھی اسے خواب میں نہیں دیکھا۔ تعجب ہے' مرنے کے بعد دکھائی دے رہا ہے مائی گاڈ! پچھلی رات کتنی ہولناک تھی۔ کل جو کچھ ہوا' اس کا اثر دماغ پر ہے۔ اسی لئے میں نے اسے خواب میں دیکھا ہے۔ توبہ ہے' اتفاق سے دیکھ لیا۔ اب نہیں دیکھوں گی۔"

وہ بستر سے اتر کر باتھ روم میں گئی۔ شاہانہ طرز کے غسل خانہ میں دیر تک غسل سے لطف حاصل کرتی رہی۔ جب باتھ روم سے باہر آئی تو ایسی تازہ دم ہوگئی جیسے خون چوس کر نئی توانائی حاصل کی ہو۔

اس نے ملازمہ کو بلا کر کھانا لگانے کو کہا۔ پھر فون کے ذریعے اپنی ممی اور ڈیڈی سے رابطہ کیا۔ اور کہا۔ "ہیلو میں نازاں بول رہی ہوں۔"

لاثانی بیگم کی آواز سنائی دی۔ "نازاں میری جان! تم کہاں ہو؟ خیریت

سے ہو؟"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "میں یہاں سر سے پیر تک خیریت سے ہوں اور آپ تمام کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتی ہوں۔ دیگر احوال یہ ہے کہ خس کم جہاں پاک ہوگیا۔"

لاثانی بیگم بھی قہقہے لگا کر بولی۔ "ایک اور خوشخبری سنو۔ رانو کو بھی سولی پر چڑھادیا گیا ہے۔"

"یعنی کہ مرگئی؟"

"بالکل مرگئی۔ میرے پالتو سورما جس کی گردن پکڑتے ہیں' اسے آخری دم تک لٹکا دیتے ہیں۔"

"وہ ان کا انکل آئی جی کیا ہمارے خلاف کچھ کرے گا؟"

"ہرگز نہیں۔ واردات ایسی کی گئی ہے کہ وہ خودکشی کا کیس بن گیا ہے۔ کسی کو شبہ نہیں ہوا کہ اسے زبردستی سولی پر چڑھایا گیا ہے۔"

"یہ تو کمال ہوگیا۔ آپ کی اور پاپا کی ذہانت کا جواب نہیں ہے۔ پچھلی رات اس پاگل عاشق سے پیچھا چھڑایا اور آج شام سے پہلے بھائی جان کو رانو سے نجات دلا دی۔"

"بیٹی! تم نے اس کے ساتھ رات تو نہیں گزاری ہے نا؟"

"آں؟ اس کے ساتھ؟ وہ اس کے ساتھ جہلم کے پل تک رہی تھی۔ یعنی اس کے ساتھ تقریباً آدھی رات گزاری ہے۔"

"اوہو نازاں! سمجھا کرو۔ میں دولہا کے ساتھ رات گزارنے والی بات

کررہی ہوں۔"

"او نو ممی! اسے تو یہاں اسلام آباد کی کوٹھی تک پہنچنا نصیب نہیں ہوا۔ نہ وہ یہاں آیا۔ نہ ہمارے درمیان کچھ ہوا تھا۔"

"پھر بھی اپنے پرائے یہ سمجھیں گے کہ تم نے اس کے ساتھ رات گزاری ہے۔ یوں بھی مذہبی احکامات کے مطابق تمہیں کسی مرد کے سامنے نہیں آنا چاہئے عدت کے چار ماہ دس دن اسی کوٹھی میں تنہا گزارو تو بہتر ہے۔ وہاں ایک ملازمہ ہے اور دو چار عورتوں کو اپنی خدمت کے لئے رکھ لو۔"

"تو ممی! میں کوٹھی میں پابند ہو کر نہیں رہوں گی۔"

"پابند نہ رہو۔ لیکن دکھاوے کے لئے اپنی کھوٹی میں قیام کرو دوسروں کو یہی معلوم ہو کہ تم وہاں عدت کے دن گزار رہی ہو۔ کوئی یہ جاسوسی کرنے نہیں آئے گا کہ تم باہر تفریح کے لئے بھی جایا کرتی ہو۔"

"میں یہی کروں گی۔ آپ کب تک آرہی ہیں؟"

"آؤں گی۔ پہلے تمہارے باپ سے نمٹ لوں۔ وہ تیسری لانے کے چکر میں ہیں۔ اس لئے مجھے طلاق دینے کا فیصلہ کرچکے ہیں۔"

"ممی طلاق دینا کون سی عقلمندی ہے۔ پاپا سے اختلاف ہوجائے تو آپ ان سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ یہ طلاق کیوں ضروری ہے؟"

"میں نے کبھی طلاق نہیں چاہی۔ کئی بار تمہارے باپ سے کہہ چکی ہوں، ایسا وقت آئے تو مجھ سے علیحدہ ہو جایا کریں۔ میں اپنی ذاتی کوٹھی میں

جاکر رہا کروں گی۔ وہ بے شک تیسری کو بیاہ کرلے آئیں۔ لیکن وہ نہیں مانتے۔"

"کیوں نہیں مانتے؟"

"کہتے ہیں میں ایک وقت میں ایک ہی مصیبت پال سکتا ہوں۔ عورت ایک ہی رہے تو مسرت ہے۔ بیک وقت دو ہوجائیں تو مصیبت بن جاتی ہیں۔"

"ویسے ممی! یہ درست ہے پاپا بڑے تجربے کی باتیں کرتے ہیں۔ اب میں فون بند کررہی ہوں۔ ملازمہ نے کھانا لگایا ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ ریسیور رکھ کر کھانے کی میز پر آگئی وہ بہت خوش تھی۔ خوشی تنہائی میں نہیں ملتی۔ گھر ایک فرد سے آباد نہیں رہتا۔ دوسرا ساتھی ضروری ہوتا ہے۔ وہ دوسرے ساتھی سے پیچھا چھڑا چکی تھی۔ اور شادو آباد کے معنی بدل کراتنی بڑی کوٹھی میں تنہا آباد ہورہی تھی۔

❑*❑
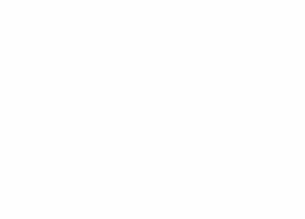
وہ بوڑھے ماں باپ تنہا رہ گئے تھے۔ اس بڑھاپے میں زندگی بے مقصد ہوگئی تھی جوان بیٹے کے مرنے کی خبر سنی۔ پھر بیٹی کی میت دیکھی۔ اب وہ اس بوڑھی بدنصیب زندگی میں کچھ دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ بڑے افسوس کا مقام تھا کہ دو جوان اولاد کی موت کے بعد بھی ان کی بدنصیبی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ بیٹی کی بدنامی کا عذاب اٹھارہے تھے۔

ابھی محلے میں انہوں نے دھیمی دھیمی سرگوشیاں سنی تھیں۔ اگر بیٹی خودکشی نہ کرتی تو یہ بات زیادہ نہ پھیلتی کہ وہ کنواری ماں بننے والی تھی۔ یوں تو بیٹی کے اغوا ہونے کے بعد ہی سے بدنامی دبی زبان سے ہونے لگی تھی۔ اس بدنامی کو شادی کے ذریعے چھپایا جارہا تھا۔ لیکن شادی نہ ہوسکی۔ یہ بات چھپنے والی نہیں تھی کہ شادی کیوں نہ ہوسکی۔ بات جنگل کی آگ کی

طرح پھیل گئی کہ وہ شادی سے پہلے ماں بننے والی ہے۔ پھر اس کی خودکشی نے اس بات پر تصدیق مہر لگادی تھی۔

اب انہیں زندہ رہ کر زندگی سے اور دنیا والوں سے کیا لینا تھا؟ وہ دنیا کو کچھ دے نہیں سکتے تھے اور بدنامیوں کے سوا کچھ لے نہیں سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے دنیا سے رخصت ہونے کا انتظام کیا تھا۔

وہ ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان روٹیوں کا چھابہ اور سالن کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے ایک لقمہ کے لئے روٹی توڑ کر اسے سالن میں بھگویا۔ پھر کہا۔ "رانو کی ماں! جب پہلی بار تو دلہن بن کر آئی تھی تو میں نے دودھ کا گلاس اٹھا کر تجھے ایک گھونٹ پلایا تھا وہ ہماری زندگی کی صبح تھی۔ آج شام ہوگئی ہے ہماری زندگی کا سورج ڈوبنے والا ہے۔ آج آخری بار میرے ہاتھ سے یہ لقمہ کھالے۔"

بوڑھی نے اس کے ہاتھ سے لقمہ منہ میں لیا۔ پھر اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ بنا کر اس بوڑھے کو کھلاتے ہوئے کہا۔ "شادی کی پہلی رات جو تم نے رزق دیا اس سے مجھے زندگی ملتی رہی۔ آج ہم ایک ساتھ موت کا رزق بنارہے ہیں۔"

"رانو کی ماں! جاتے جاتے شکایت نہ کرنا تقدیر نے بیٹا لیا' لینے دے' بیٹی لی' لینے دے۔ رسوائیاں دیں' دینے دے شکایت نہ کرنا۔ شکایت نہ کرنا۔"

"رانو کے ابا! میں تو سب بھول گئی۔ جب اس دنیا میں آل اولاد

سب چھوڑ کر جانا ہے تو آخری وقت چھوٹ جانے والی چیزوں کو کیوں یاد کریں؟ کیوں شکایت کریں؟"

وہ کہتے کہتے رونے لگی۔ وہ بھی رو رہا تھا عجیب منظر تھا وہ لقمے چبا رہے تھے اور آنسو بہا رہے تھے دروازے پر دستک سنائی دی۔ بوڑھے نے کہا۔ "اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔ دروازہ دن رات کھلا رہتا ہے۔ آجاؤ۔"

دروازے کے دونوں پٹ کھل گئے۔ آنے والا چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کیا پھر سر سے چادر ہٹائی۔ وہ دونوں بیٹے کو دیکھ کر چونک گئے وہ تیزی سے آکر ماں کے پاس بیٹھ گیا۔ اس سے لپٹ گیا۔ پھر بولا۔ "میرا نام لے کر نہ رونا میں دنیا والوں کے لئے مردہ رہنا چاہتا ہوں۔"

باپ نے کہا۔ "بیٹا! ہم تو تجھ پر رو چکے۔ اب تو ہم پر روئے گا۔ یہ پوچھنے کا وقت نہیں ہے کہ موت سے جان چھڑا کر کیسے آیا؟ پوچھنا یہ ہے' کیا بہن کی رسوائیاں برداشت کرسکے گا۔ یا ہماری طرح یہ آخری اناج کھائے گا؟"

یارسیال نے چونک کر روٹی اور سالن کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "یہ۔ یہ آخری اناج کا مطلب کیا ہے؟ ابا تو کیا بول رہا ہے؟"

وہ ایک طرف چٹائی پر ڈھلک گیا۔ وہ باپ کو چھوڑ کر ماں کے پاس جانے لگا تو ماں ایک طرف ڈھلک گئی۔ وہ چادر کا بہت سا حصہ اپنے منہ میں ٹھونس کر اپنی چیخیں روکنے لگا۔ کبھی ماں کو اور کبھی باپ کو دیکھنے لگا۔

باپ نے کہا۔ "یہ۔ یہ نہ سمجھنا ہم جوان بیٹے اور بیٹی کے موت کے صدمے سے جان دے رہے ہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ سب ہی کے جوان بچے مرتے ہیں۔ ان کی موت پر والدین خودکشی نہیں کرتے۔ موت برداشت کرتے ہیں۔ بدنامی برداشت نہیں کرپاتے بیٹی کی بے آبروئی نے ایسا ننگا کیا ہے کہ اب ہم آنکھیں بند کرکے چھپ رہے ہیں۔"

ماں کی کراہ سنائی دی۔ اس نے ماں کے پاس آکر اس کا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا۔ وہ بڑی تکلیف میں تھی۔ موت سے لڑرہی تھی کہ جلدی کیوں نہیں اٹھاتی؟ دوسری طرف بوڑھا باپ تڑپ رہا تھا اس نے ماں کے پاس سے آواز دی۔ "ابا! یہ تم لوگوں نے کیا کیا؟ کیا مرنے سے بدنامیاں مرجاتی ہیں؟ نہیں ابا! بدنامیوں کو مارنا تھا۔ بدنام کرنے والوں کو مارنا تھا۔ تجھ میں حوصلہ نہیں تھا۔ مجھ میں تو ہے۔ ابا! مجھ میں وہ حوصلہ ہے کہ سلیمان شاہ کے پورے خاندان کو مٹی میں ملا کر رکھ دوں گا۔ مگر یہ تونے کیا کیا ہے ابا!"

ماں تڑپتے تڑپتے اس کے زانوں پر ساکت ہوگئی۔ وہ ماں سے لپٹ گیا دوسری طرف باپ کی کراہ سنائی دی۔ اس نے ماں کے جسم کو چٹائی پر سیدھا کیا پھر لپک کر باپ کی طرف گیا لیکن اس وقت تک باپ بھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا تھا۔ یہ ایسے ناقابل برداشت صدمات تھے کہ آدمی چیخ چیخ کر روتا ہے لیکن وہ اپنی آواز باہر نہیں پہنچانا چاہتا تھا اس لئے خاموشی سے سر زمین پر پٹخ پٹخ کر ماتم کرنے لگا۔

جب لہولہان ہونے لگا۔ اندر کا غبار کچھ کم ہونے لگا اور عقل

سمجھانے لگی کہ ابھی اسے ہوش و حواس میں رہ کر بہت کچھ کرنا ہے تو وہ تھوڑی دیر تک گم صم بیٹھا رہا۔ پھر اس نے اٹھ کر اپنی ماں اور باپ پر ایک چادر ڈالی۔ آئینے کے سامنے آکر اپنے سر' چہرے اور گردن سے لہو پونچھنے لگا۔

دور کھیتوں سے گیدڑوں کے چلانے کی ماتمی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں ساری دنیا سو رہی تھی۔ اپنی اپنی زندگی گزارنے والے یہ نہیں جانتے کہ دوسروں پر کیسی قیامتیں گزر رہی ہیں۔ وہ ایک درانتی لے کر آنگن میں آیا۔ وہاں ایک گلاب کے پودے کے پاس بیٹھ کر اسے اکھاڑنے لگا۔

پودے کو اکھاڑ کر پھینکنے کے بعد وہاں کی مٹی کھودنے لگا۔ اس کا باپ اناج کی منڈی سے حاصل ہونے والا منافع بنک میں تو رکھتا ہی تھا مگر اپنے بزرگوں کی روایات کے مطابق کچھ حصہ گھر کے آنگن میں بھی چھپا کر رکھا کرتا تھا۔

ذرا گہرائی تک کھودنے کے بعد ایک مٹی کا بہت بڑا گھڑا نظر آیا اس نے مزید کھدائی کے بعد اسے باہر نکال کر اسے توڑ دیا بڑے نوٹوں کی کتنی ہی گڈیاں آنگن میں بکھر گئیں۔ وہ تمام گڈیاں الگ الگ موٹے پلاسٹک کے تھیلے میں لپٹی ہوئی تھیں بڑے نوٹوں کے پیش نظر ایک اندازے کے مطابق وہ چھ سات لاکھ روپے ہوں گے۔

اس نے ایک چادر میں وہ تمام گڈیاں رکھ لیں اس کی گٹھڑی باندھ لی اس میں سے صرف بیس ہزار نکالے۔ کمرے میں آکر کاغذ قلم لے کر بائیں

ہاتھ سے لکھا۔ تاکہ تحریر کے ذریعے وہ پہچانا نہ جاسکے۔

اس نے لکھا۔ "یہ بیس ہزار روپے احمد کبیر سیال اور اس کی گھر والی کی تجہیز و تکفین کے لئے ہیں۔ ان کی آخری رسومات ادا کردو۔ مہربانی ہوگی۔"

اس نے وہ پرچی نوٹوں کی گڈی کے ساتھ ربڑ بینڈ کے ساتھ باندھی۔ پھر ماں باپ کے پاس آیا منہ پر سے چادر ہٹائی ان کے چہرے دیکھے۔ ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر ان کے لئے دعا کی۔ پھر نوٹوں کی گٹھڑی اٹھا کر مکان سے باہر آگیا۔

چند گز کے فاصلہ پر بھینسوں کا باڑہ تھا۔ وہاں ایک چھپر کے نیچے چارپائی پر پڑوسی سو رہا تھا۔ یارسیال نے پہلے دور جاکر ایک جھاڑی کے پیچھے گٹھڑی چھپائی پھر باڑے میں آکر بھینسوں کی آڑ سے پڑوسی کا نشانہ لیا۔ پھر نوٹوں کی گڈی کھینچ کر اس کے منہ پر ماری۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "کون ہے؟ خبردار!"

وہ منجی کے ساتھ رکھی ہوئی لاٹھی اٹھاتا ہوا کھڑا ہوگیا چھپر سے لٹکنے والے بلب کی روشنی میں آس پاس دیکھنے لگا۔ کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا پھر بستر پر نوٹوں کی گڈی نظر آئی تو چونک گیا۔ اسے اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اس کے ساتھ لگی ہوئی پرچی کھول کر پڑھنے لگا۔

یارسیال باڑے سے دور تاریکی میں تھا اسے بلب کی روشنی میں پرچی کھول کر پڑھتے دیکھ رہا تھا۔ اسے اطمینان ہوگیا۔ پڑوسی ایمان والا تھا۔ یہ یقین تھا کہ پرچی کی تحریر کے مطابق وہ عمل کرے گا۔

اس نے جھاڑی کے پیچھے آکر گٹھڑی اٹھائی۔ پھر کھیتوں کی تاریکی میں گم ہوتا چلا گیا۔

❑*❑

لاثانی بیگم اس وسیع و عریض حویلی میں تنہا تھی۔ بڑا بیٹا خرم دو بہنوں کے ساتھ صبح کی فلائٹ سے کراچی گیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ شام کی فلائٹ سے لاہور واپس آجائے گا۔ آدھی رات گزر چکی تھی اور وہ بہنوں کے ساتھ واپس نہیں آیا تھا۔ اس نے خرم کے موبائل فون پر رابطہ کرنا چاہا۔ پتہ چلا کراچی شہر میں موبائل فون پر پابندی ہے۔

ظفر اور دو بیٹیاں رات آٹھ بجے اپنے باپ سلیمان شاہ کے ساتھ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کی گٹ ٹوگیدر پارٹی میں گئی تھیں۔ ان کے واپس نہ آنے سے اطمینان ہو رہا تھا کہ انہوں نے باپ کو اس پارٹی میں الجھا رکھا ہے۔ جب وہ واپس آئے گا تو نشے میں چور ہوگا۔ بولنے کے قابل نہیں رہے گا تو طلاق نہیں دے سکے گا۔

ویسے لاثانی بیگم طلاق کے معاملے میں زیادہ پریشان نہیں تھیں وہ اپنے مفادات کے لئے ٹھوس اقدامات کرچکی تھیں۔ آج ہی شام کو فیکس کے ذریعے اسے بہت سے اہم کاغذات کی نقل موصول ہوگئی تھی۔

آدھی رات گزرنے کے بعد کال بیل کی آواز سنائی دی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا پھر پوچھا۔ "کون ہے؟"

سلیمان شاہ کی آواز سنائی دی۔ "دروازہ کھولو۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ سلیمان شاہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ جاگیر کا منتظم اعلیٰ عبور خان' ایک مشیر ایک وکیل بھی تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر سمجھ گئی کہ سلیمان شاہ طلاق کے فیصلے پر عمل کرنے آیا ہے۔

وہ سب آکر مختلف صوفوں پر بیٹھ گئے۔ لاثانی بیگم نے کہا۔ "میں سمجھ گئی ہوں لیکن جو بھی کارروائی ہوگی' میرے مشیر اور وکیل کی موجودگی میں ہوگی۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "مجھے اعتراض نہیں ہے۔ تم انہیں بلا سکتی ہو۔"

اس نے ریسور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر کہا۔ "میں بول رہی ہوں۔ فوراً چلے آؤ۔"

اتنا کہہ کر اس نے ریسور رکھ دیا۔ ان سب سے دور جاکر ایک صوفہ پر بیٹھ کر کہا۔ "عبور خان! میرے بچے تمہارے پاس کراچی گئے ہیں اور تم یہاں ہو۔ جب یہاں ہو تو انہیں وہاں کیوں بلایا تھا؟"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "میں نے عبور خان کو حکم دیا تھا کہ انہیں کراچی

لائے اور انہیں یہ لالچ دے کہ کوٹھی کی خریداری کل ہوگی۔ وہ تینوں کل کے انتظار میں وہاں آرام سے ہیں۔ جہاں ہیں' وہاں ٹیلیفون نہیں ہے۔"

"وہ کسی دوسری جگہ جاکر فون کرسکتے ہیں لیکن آپ نے وہاں انہیں بس بہانے میں رکھا ہے۔"

"کراچی کے تمام شہری حبس بے جا میں ہیں۔ فائرنگ اور دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ دہشت کے مارے لوگ گھر سے نہیں نکلتے ہیں۔ تمہارے بچے فون کرنے کہاں جاسکیں گے؟"

"ظفر' شمائلہ اور حدیقہ کہاں ہیں؟"

"وہ جہاں بھی ہیں' تفریح میں مگن ہیں انہیں صبح تمہاری یاد آئے گی تو بہت دیر ہوچکی ہوگی۔ لاثانی بیگم! اگر خدا بلندی دے تو کبھی نیچے جھانک کر دیکھتے رہنا چاہئے تاکہ پستی یاد رہے لیکن بلندی پر جانے والوں کی یادداشت کمزور ہوجاتی ہے۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ ان پر کسی وقت بھی زوال آسکتا ہے۔ اور تم پر وہ وقت آگیا ہے۔ تم نے اس وقت کو ٹالنے کی بہت کوششیں کی ہیں۔ کیا نہیں کی ہیں؟"

"وقت کو ٹالنے کی نہیں شاہ جی! آپ کو سمجھانے کی کوششیں کی ہیں کہ میاں بیوی کے رشتے کو مذاق نہ بنائیں لیکن اس بار آپ دوسری نہیں کسی تیسری کو لانا چاہتے ہیں۔ آپ جو فیصلہ کرچکے ہیں' وہی کریں گے لیکن میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں بار بار اس کوٹھی سے نکالے جانے کی توہین برداشت نہیں کروں گی۔ میں اپنے تمام بچوں کے ساتھ یہاں رہتی ہوں اور

آئندہ بھی یہیں رہوں گی۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ "دودھ کی مکھی صرف ایک چٹکی میں آکر باہر نکل جاتی ہے۔ میں نے تین بچوں کو صبح نکال دیا۔ باقی تین کو ایک تقریب میں چھوڑ آیا ہوں۔ تم بھی یہاں سے اپنی ذاتی کوٹھی میں خود جاؤگی تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ ورنہ یہاں سے جبراً رخصت کیا جائے گا۔"

"میرے جانے یا نہ جانے کا فیصلہ ابھی ہوگا۔ لیکن وہ بچے آپ کے بھی ہیں۔ آپ کیسے باپ ہیں' انہیں کسی قصور کے بغیر یہاں سے نکال چکے ہیں۔"

"ہر اولاد کے لئے ایک الگ کوٹھی اور آرام و آسائش کا سامان ہے میں نے انہیں بے گھر نہیں کیا ہے۔ وہ اپنی کوٹھیوں میں جاکر رہیں گے۔"

کال بیل کی آواز سنائی دی۔ عبور خان نے جاکر دروازہ کھولا۔ لاثانی بیگم کا مشیر' وکیل اور پولیس کا ایک اعلیٰ افسر آیا تھا۔ انہوں نے اندر آکر ایک دوسرے سے مصافحہ کیا۔ سلیمان شاہ نے افسر سے کہا۔ "یہاں پولیس کا کوئی کام نہیں ہے۔ پھر میری بیگم نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟"

لاثانی بیگم نے کہا۔ "میں خطرہ محسوس کررہی ہوں۔ اس لئے اعلیٰ افسر کو زحمت دی ہے۔ اس کوٹھی سے باہر تو جانا ہی ہے۔ پولیس کی حفاظت میں جانا بہتر ہوگا۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "تم نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اپنی رخصتی کے لئے پہلے ہی باراتیوں کو بلالیا ہے۔"

اس نے اپنے وکیل سے کاغذات لے کر لاثانی بیگم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ طلاق کے کاغذات ہیں۔ اس میں طلاق دینے کی وجوہات اور دوسری تفصیلات درج ہیں۔ اپنے وکیل سے پڑھوا کر سن لو اور دستخط کردو۔"

وہ ہنس کر بولی۔ "مجھے طلاق لیتے رہنے کا سبق زبانی یاد ہوگیا ہے۔ میں کیا پڑھواؤں گی اور کیا سنوں گی۔ لیکن دستخط کرنے سے پہلے چاہتی ہوں کہ آپ میرے کاغذات پڑھ لیں۔"

اس کے وکیل نے سلیمان شاہ کے سامنے ایک فائل پیش کی۔ سلیمان شاہ نے پوچھا۔ "اس فائل میں کیا ہے؟ کیوں خواہ مخواہ وقت ضائع کرنا چاہتی ہو۔ تمہیں یہاں سے جانا ہے اور تم ہر حال میں جاؤگی۔"

لاثانی بیگم نے کہا۔ "اس فائل میں جو کاغذات ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کوٹھی میرے نام لکھ دی ہے۔"

"کیا میں ایسا احمق نظر آتا ہوں کہ یہ محل نما کوٹھی تمہارے نام لکھ دوں گا؟"

"پچھلی بار جب آپ نے مجھ سے نکاح پڑھایا۔ تب ہی آپ نے دین مہر کے طور پر یہ کوٹھی اس شرط پر میرے نام کی تھی کہ آئندہ کبھی آپ مجھے طلاق دیں گے تو مہر کی ادائیگی کے طور پر یہ کوٹھی میری ہوجائے گی۔"

سلیمان شاہ نے اس فائل کو لے کر کہا۔ "میں نے ایسا کوئی پکا کاغذ لکھ کر نہیں دیا ہے اور اگر ایسا کاغذ ہوگا تو وہ تمہاری اور خرم کی جعلسازی

ہوگی۔ خرم میری تحریر اور دستخط کی ہوبہو نقل کرتا ہے۔"

وہ فائل کھول کر کاغذات کو سرسری طور پر پڑھنے لگا۔ اپنی تحریر اور دستخط غور سے دیکھنے لگا۔ وہ اپنی ہی تحریر اور دستخط لگ رہے تھے۔ مگر اپنے نہیں تھے۔ اس نے فائل کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "شٹ' یہ نقلی کاغذات ہیں۔ میں انہیں عدالت میں چیلنج کروں گا اور انہیں نقلی ثابت کروں گا۔"

"عدالت بہت دور ہے۔ مقدمہ چلتا رہے گا اور دنیا دیکھتی رہے گی۔ اگر آپ جھگڑا نہیں بڑھانا چاہتے ہیں تو طلاق نہ دیں۔ نہ طلاق دیں گے' نہ میں مہر کی ادائیگی کے لئے اس کوٹھی کا مطالبہ کروں گی۔ یہ کوٹھی پہلے کی طرح آپ ہی کی رہے گی۔"

"ہوں۔ اگر میں طلاق دوں گا تو تمہیں اپنی زندگی سے نکالوں گا۔ لیکن اس کوٹھی سے نہیں نکال سکوں گا۔"

"جی ہاں۔ اس بار آپ مجھے اس کوٹھی سے نہیں نکال سکیں گے۔ کئی بار بے عزت ہوچکی ہوں۔ اس بار آپ یہاں سے نکلیں گے۔ بے عزتی آپ کا مقدر ہوگی۔"

"یہاں سے میں نہیں' تم ہمیشہ کی طرح جاؤگی۔ اس کوٹھی پر قبضہ جمانے کے لئے عدالتی کارروائی کروں گی۔ عدالت تمہارے حق میں فیصلہ سنائے گی' تب میں یہ کوٹھی خالی کروں گا۔"

لاثانی بیگم کے وکیل نے کہا۔ "جناب عالی! آپ نے غور سے کاغذات

نہیں پڑھے۔ آپ نے یہ لکھا ہے کہ طلاق دیتے ہی یہ کوٹھی مہر کی ادائیگی کے طور پر بیگم صاحبہ کے نام ہوجائے گی اور آپ بے چون وچرا اس کوٹھی سے چلے جائیں گے۔ میں نے آپ کی تحریر کے مطابق عمل کرانے کے لئے عدالت سے اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔ آپ نے وہ اجازت نامہ بھی نہیں پڑھا اور فائل اٹھا کر پھینک دی ہے۔"

پولیس افسر نے کہا۔ "میں عدالتی اجازت نامہ کے مطابق آپ سے عمل کرانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ بہتر ہے' آپ طلاق نہ دیں اور اگر دیں تو یہ کوٹھی خالی کردیں۔"

سلیمان شاہ سوچتی ہوئی نظروں سے پولیس افسر کو دیکھنے لگا۔ لاثانی بیگم نے کہا۔ "آپ ذہنی طور پر الجھ گئے ہیں۔ مجھے طلاق لینے کی جلدی نہیں ہے۔ آپ اپنے مشیر اور وکیل سے اچھی طرح مشورے کرلیں۔ میرے لئے شوہر آنی جانی چیز ہوگیا ہے۔ آپ آج نہ سہی کل چلے جائیں گے۔"

"آج تم مجھے کوٹھی سے نکال رہی ہو۔ کل تک رہا تو دنیا سے نکال دوگی۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ میں طلاق دے رہا ہوں اور ابھی یہاں سے جارہا ہوں۔ میرے ملازم آکر سامان لے جائیں گے۔ میں طلاق نامہ پر دستخط کرچکا ہوں۔ تم بھی کردو۔"

وہ سینٹر ٹیبل پر فائل رکھ کر طلاق نامہ کے کاغذات پر دستخط کرنے لگی۔ وہاں جو موجود تھے' وہ بھی گواہوں کے طور پر دستخط کررہے تھے۔

انسانی زندگی میں کاغذ کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ کاغذ کے کرنسی

نوٹ انسان کو اوپر لے جاتے ہیں اور اوپر سے نیچے پھینک دیتے ہیں۔ خون کے رشتوں کی ابتدا کاغذ کے نکاح نامہ سے ہوتی ہے اور خون سفید ہونے کی انتہا بھی کاغذی طلاق نامہ سے ہوتی ہے۔ محبت کی تمام اثر انگیز داستانیں کاغذ پر رقم کی گئی ہیں اور پہلے ایٹم بم کا نقشہ بھی کاغذ پر ہی بنایا گیا تھا۔

یہ انسان حیات کے پہلے لمحہ سے موت کی دہلیز تک کاغذ کی ناؤ میں سفر کرتا ہے۔

❑*❑

یارسیال کی داڑھی مونچھیں بڑھ گئی تھیں۔ سر کے بال بھی بڑھ گئے تھے۔ آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رہتا تھا۔ جب تک کوئی اسے غور سے پہچاننے کی کوشش نہ کرتا، تب تک اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ پہچاننے کے بعد بھی یہ یقین نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مردہ زندہ ہوگیا ہے۔

وہ اپنے باپ کے سوئم میں آیا تھا۔ مگر پنڈ والوں سے دور تھا۔ جب تک گھر میں قرآن خوانی ہوتی رہی، وہ ماں باپ کی قبر پر وہ تمام آیات پڑھتا رہا، جو اسے زبانی یاد تھیں۔ پھر ان کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگ کر اس پنڈ سے سر جھکا کر گزرنے لگا۔ ایسے وقت میں اس نے اپنی بہن رانو کے متعلق تبصرے سنے۔ ان تبصروں سے لوگوں کے متفقہ خیالات معلوم ہوئے کہ رانو شادی سے پہلے ماں بننے والی تھی۔ عین شادی کے وقت یہ راز کھلا

تو لڑکے والوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ یہ بدنامی وہ برداشت نہ کرسکی۔ پھندا لگا کے مرگئی۔ ماں باپ بھی اسی بدنامی اور صدمات سے گھبرا کر زہر کھا کر مرگئے۔

یہ بات یارسیال سے برداشت نہیں ہوتی تھی کہ اس کی معصوم بہن کی آبرو لوٹی گئی اور وہ زندگی کے آخری لمحہ تک بے حیائی کے طعنے سنتی رہی۔

وہ دوسری بار والدین کے چالیسویں پر پنڈ آیا پھر ان کی قبروں پر ان کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگ کر اسلام آباد چلا آیا۔ وہاں نازاں عدت کے دن گزار رہی تھی۔ ایسا دنیا والوں کو اور خاص طور پر انکل آئی جی کو دکھانے کے لئے کررہی تھی۔ وہ چاردیواری میں پابندی سے نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لئے تفریح کی غرض سے پہاڑی علاقوں میں جایا کرتی تھی۔

یارسیال اندر سے تپ رہا تھا۔ اس کے خلاف کئی منصوبے بنا چکا تھا۔ لیکن کسی پر عمل نہیں کررہا تھا۔ کیونکہ ان منصوبوں سے اپنے انتقام کی آگ بجھتی تھی۔ وہ اپنی بہن پر ہونے والے ظلم اور بدنامیوں کا بدلہ لینے کی کوئی معقول تدبیر سوچ رہا تھا۔

دو ماہ بعد اس نے نازاں کی کوٹھی میں کام کرنے والی ایک ملازمہ سے جان پہچان پیدا کی۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ ملازمہ کی ایک جوان بیٹی ہے جو رقم اور جہیز نہ ہونے کے باعث بیاہی نہیں جارہی ہے۔ اگر پچیس تیس ہزار مل جائیں تو اس کی شادی ہوجائے گی۔ اس نے ملازمہ سے پوچھا۔ "کیا تمہاری بیٹی کا رشتہ آتا ہے؟"

"میری بیٹی لاکھوں میں ایک ہے۔ رشتے تو دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں۔ مگر جو بھی میری بیٹی کو مانگتے ہیں، ساتھ جہیز بھی چاہتے ہیں۔ میں نے بیس ہزار جوڑ کر رکھے ہیں اگر اور پچیس تیس ہزار ہوجائیں تو کل ہی اسے دلہن بنا کر رخصت کردوں گی۔"

یارسیال نے دوسرے دن اس کے گھر آکر اسے تیس ہزار روپے دیئے تو وہ حیرانی سے اسے تکنے لگی۔ پھر بولی۔ "یہ بہت بڑی رقم ہے۔ کوئی مطلب کے بغیر اتنے روپے کسی کو نہیں دیتا۔ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میری ایک بہن تھی۔ شادی سے پہلے بدنام ہوگئی۔ دنیا والوں کے طعنے نہ سن سکی۔ اس نے خودکشی کرلی۔ لڑکیوں کو زیادہ دنوں تک گھر میں نہیں بٹھانا چاہئے۔ میں چاہتا ہوں، تم جلد سے جلد اپنی بیٹی کی شادی کردو۔ میں سمجھوں گا، میں نے اپنی بہن کو سہاگن بنادیا ہے۔"

وہ یارسیال کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "تم بہت اچھے ہو۔ جوان بہن کا صدمہ اٹھا رہے ہو اور مجھے جوان بیٹی کے صدمے سے بچارہے ہو۔ میں تمہاری بہن کے لئے دعائیں کرتی رہوں گی۔"

اس نے ایک ہفتہ کے اندر بیٹی کو دلہن بنا کر رخصت کردیا۔ بیٹی کے نکاح میں ایسی دو عورتیں بھی آئیں تھیں جو اس ملازمہ کے ساتھ نازاں کی کوٹھی میں کام کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک عورت یارسیال کو بار بار توجہ سے دیکھتی رہی۔ وہ نازاں کی پرانی خادمہ تھی اس نے نازاں کی شادی میں یارسیال کو دیکھا تھا۔ اس میں ایسی مردانہ کشش تھی کہ عورتیں ایک بار

دیکھنے کے بعد اسے ہمیشہ یاد رکھتی تھیں۔

یارسیال کا حلیہ بدلا ہوا تھا۔ اس عورت نے سوچا۔ "اس سے ملتا جلتا ہے مگر وہ نہیں ہے وہ تو مرچکا ہے......"

شادی کی رسومات کے دوران اس عورت سے سامنا ہوگیا۔ وہ مسکرا کر بولی۔ "کیا خدا کی قدرت ہے۔ تم بالکل ویسے ہی ہو۔ اگر تمہاری داڑھی مونچھیں نہ ہوتیں اور سر کے بال بڑھے ہوئے نہ ہوتے تو تم بالکل ویسے ہی لگتے۔"

"تم کون ہو؟ کس کی باتیں کررہی ہو؟"

"ہماری بی بی جی کی شادی ایک گبرو جوان سے ہوئی تھی۔ وہ شادی کی رات مرگیا۔ تم ہوبہو اس جوان کی طرح لگتے ہو۔"

"تم کس بی بی جی کی بات کررہی ہو؟"

"وہی بی بی جی، جس کے ہاں میں کام کرتی ہوں اور زینت بھی کام کرتی ہے۔"

زینت اس عورت کا نام تھا، جو اپنی بیٹی کی شادی کررہی تھی اور جو اسے پہچان کر بھی نہیں پہچان رہی تھی، اسے جیراں کہتے تھے۔ یارسیال نے کہا۔ "تمہاری بی بی جی کو بڑا صدمہ پہنچا ہوگا۔"

"کس بات کا صدمہ؟"

"یہی کہ وہ شادی کی رات بیوہ ہوگئی۔"

"توبہ کرو۔ اس امیرزادی کو ہنسنے بولنے اور تفریح کرنے سے فرصت

نہیں ملتی ہے۔ وہ بھلا کیا صدمہ کرے گی۔ عدت کے دو مہینے گزار دیئے ہیں اور دو ماہ دس دن گزار کر کسی دوسرے امیرزادے سے شادی کرلے گی۔"

یارسیال نے دل میں کہا۔ "میں اسے شادی کرنے دوں گا تو وہ کرے گی۔"

جیراں نے کہا۔ "ایک بات ہے۔ اپنی زندگی میں آنے والا پہلا مرد بچھڑ جائے تو بڑا دکھ ہوتا ہے۔ بی بی جی کے دل پر بھی اثر ہوا ہوگا۔"

"تم تو کہتی ہو وہ ہنستی بولتی اور تفریح کرتی رہتی ہے۔"

"دکھ تو اندر ہوتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ منہ پر ہنس رہتی ہے۔ مگر آنکھوں سے دکھ جھانکتا رہتا ہے۔ میں نے بی بی جی کو تنہائی میں چپ چاپ سوچتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ کہیں گم رہتی ہیں۔ شادی سے پہلے ایسی نہیں تھیں۔"

"تم کہتی ہو، میں اس کے شوہر کا ہمشکل ہوں۔ کیا اس مرحوم کی کوئی تصویر ہے۔"

"تصویر نہیں ہے۔ مگر ہونی چاہئے۔ اسے دوسرا خاوند کرنے تک پہلے کی تصویر سے دل بہلانا چاہئے۔"

"تم یہ کیوں کہتی ہو کہ وہ دوسرا خاوند کرے گی۔ کیا تمہاری بی بی جی کا ایسا ارادہ ہے؟"

"میں اس کا ارادہ نہیں جانتی۔ مگر جیسی ماں ہوتی ہے، ویسی ہی بیٹی بھی ہوگی، پتہ نہیں، ماں نے کتنے خاوند کئے ہیں۔ بیٹی بھی یہی کرسکتی ہے۔"

یارسیال نے جیب سے اپنی تصویر نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "اس تصویر کو اپنی بی بی جی تک پہنچادو۔ یہ نہ بتاؤ کہ یہ میری ہے۔ یہ بھی نہ بتاؤ کہ تصویر اس کے کمرے میں کیسے پہنچی؟ یہ دیکھو کہ اس تصویر کو دیکھ کر اس کا ردعمل کیا ہوگا؟"

وہ تصویر لے کر بولی۔ "میں بھی سوچتی ہوں کہ بی بی جی سوچتی کیا رہتی ہیں؟ اگر وہ اپنے مرحوم خاوند کے بارے میں سوچتی ہے تو تمہاری تصویر سے ضرور دلچسپی لے گی لیکن تمہیں کیا دلچسپی ہے۔ اپنی تصویر وہاں کیوں پہنچانا چاہتے ہو؟"

"یہ ہر انسان چاہتا ہے کہ کوئی اس سے دلچسپی لے۔ اس سے محبت کرے میں بھی انسان ہوں۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو تم محل والی کے خواب دیکھ رہے ہو؟"

"یہی سمجھ لو۔ خواب میں کسی کو دیکھنے پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔"

"لیکن میں تو پابندی لگاسکتی ہوں۔ اس تصویر کو وہاں نہیں لے جاؤں گی تو خواب دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔"

وہ مایوس ہو کر بولا۔ "ہاں تم چاہو تو میں صرف خواب دیکھتا رہ جاؤں اور مجھے کبھی تعبیر نہ ملے۔"

وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں تو مذاق سمجھ رہی تھی۔ مگر تم سنجیدہ ہو۔ سچ بتاؤ کوئی چکر چلارہے ہو۔"

وہ جواب دیئے بغیر جانے لگا۔ جیراں نے تیزی سے آگے آکر اس کا

راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "پہلے جواب دو۔ پھر جانے دوں گی۔ کیا تم بی بی جی کے چکر میں ہو؟"

"میرا راستہ نہ روکو۔ یہاں دوسری عورتیں کیا سوچیں گی۔"

"یہی کہ ہم رشتے دار ہیں اور ضروری باتیں کررہے ہیں۔ شادی بیاہ میں سب ہی ایک دوسرے سے چھپ کر باتیں کرتے ہیں اور کسی کو شبہ کیا کرنا ہے؟ کیا ہم یہاں عشق کررہے ہیں؟"

وہ کچھ سوچ کر بولا۔ "اگر تم مجھ سے صاف اور سچ باتیں معلوم کرنا چاہتی ہو تو پہلے میری یہ تصویر بی بی جی کے کمرے میں پہنچادو۔"

"تصویر لے جاؤں اور جوتے کھاؤں۔"

"تم یہ تصویر خود لے جاکر نہ دو۔ اس کے بیڈ پر لے جاکر ڈال دو۔ وہاں دوسری کام کرنے والیاں ہیں۔ سب ہی سے پوچھا جائے گا کہ تصویر وہاں کیسے آگئی اور کہاں سے آگئی ہر ملازمہ انکار کرے گی۔ تم بھی انکار کرنا۔"

"بی بی جی کا بیڈروم کھلی ہوئی بالکونی کے ساتھ ہے۔ میں تصویر کو بالکونی میں ڈالوں گی تو یہی سمجھا جائے گا کہ کسی نے باہر سے پھینکی ہے۔"

"تم جیسا مناسب سمجھو ویسا کرو۔ اس کے بعد مجھے اتنا بتادو کہ تصویر کو دیکھ کر اس کا ردعمل کیا رہا؟"

"تصویر تو میں پہنچادوں گی۔ لیکن سوچ لو، وہ اتنے اونچے لوگ ہیں کہ بات کھلے گی تو تمہیں ایک چٹکی میں مسل ڈالیں گے۔ پتہ نہیں تم اوکھلی میں سر کیوں دے رہے ہو؟ آخر کچھ بتاؤ تو سہی؟"

"میں ضرور بتاؤں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔ مگر پہلے یہ کام کردو۔"

جیراں نے اسے دیکھا۔ پھر اس کی تصویر کو دیکھ کر سوچنے لگی۔ "یہ معاملہ دلچسپ ہے مجھے اس جوان کا ارادہ معلوم کرنے کے لئے یہ کام کرنا چاہئے۔"

وہ یارسیال کی طرف سے پلٹ گئی۔ اس کی تصویر کو اپنے گریبان میں چھپالیا۔ عورت کا گریبان ایک ممنوعہ تجوری ہے۔ تجوری کی مرضی کے بغیر کوئی اسے کھول نہیں سکتا وہاں بڑے بڑے راز چھپالئے جاتے ہیں۔

❑*❑

نازاں کچھ الجھی ہوئی سی رہنے لگی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اندر سے کچھ خالی خالی سی کیوں محسوس کرنے لگی ہے۔ اس کی زندگی میں سونے کے پہاڑ سے لے کر چاندی کے بھٹے تک، کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ پھر بھی ایک نامعلوم سی کمی کھٹکنے لگی تھی۔

وہ ہنستی تھی، خوب بولتی تھی۔ اونچی سوسائٹی کی تقریبات میں خوب انجوائے کرتی تھی۔ وہ پہلے کی طرح رنگوں، خوشبوؤں اور مسرتوں سے مالا مال تھی۔ اس کے باوجود اس صاف وشفاف آئینے میں کہیں بال پڑ گیا تھا۔ چاند کو بھی گہن لگتا ہے وہ بھی چاندنی سے بھرپور چاند تھی۔ لیکن یہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اسے کیوں گہن لگ رہا تھا۔

عورت خواہ کتنی ہی مغرور اور سنگدل ہو، وہ حالات کے تحت نفسیاتی

الجھنوں سے نجات حاصل نہیں کرسکتی۔ وہ مرد سے متاثر ہونے کے باوجود اس سے نفرت کرتی ہے اور اسے اپنے سے کمتر سمجھتی ہے لیکن اندر چھپا ہوا تاثر اس وقت ابھر کر سامنے آتا ہے، جب وہ متاثر ہونے والے مرد سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوجاتی ہے۔

وہ نہیں سن پاتی۔ مگر تحت الشعور اندر سے بولتا رہتا ہے کہ وہ جو گبرو جوان قابل نفرت ہے، وہی دل کی حسرت ہے۔

وہ دیکھ کر بھی دیکھ نہیں پاتی۔ مگر آئینہ اس کی عمر کی شادابی کو پورے جاہ وجلال کے ساتھ دکھاتا ہے اور سرگوشی کرتا ہے کہ اس کا فاتح وہی ہوگا جسے وہ زیر کرنا چاہتی ہے۔ نادان سمجھتی نہیں کہ زبر کبھی زیر نہیں ہوتا۔ اوپر رہنے والا اوپر ہی رہتا ہے۔

اسے وہ منظر یاد آجاتا تھا، جب وہ ڈھلان پر لڑھکتی جارہی تھی اور وہ اس پر چھایا ہوا تھا۔ نیچے پہنچنے تک اس نے جب بھی دیکھا، اپنے اوپر اسے مسلط دیکھا۔ اب وہ ذہن پر مسلط رہنے لگا تھا۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کوئی چھو کر گزر جاتا ہے۔ اس کے چھونے کی حرارت سے بعد میں شعلہ بھڑکتا ہے۔

ڈاکوؤں سے چھپنے اور بچنے کے دوران وہ محلوں والی مٹی میں پڑی تھی اور وہ پہاڑ جیسا وزن اس پر آگیا تھا۔ اب وہ پہاڑ نہیں تھا مگر اس کا وزن یاد آتا تھا۔ دنیا کا کوئی وزن اس کا ہم وزن نہیں ہوسکتا تھا۔ تکبر کے لمحات میں اس نے ناگواری محسوس کی تھی۔ مگر جدائی کے لمحات کہتے تھے کہ مرد بوجھ

ہوتا ہے، بوجھل نہیں ہوتا۔

گزری ہوئی یادوں کے دوران وہ گھٹن سی محسوس کرتی تھی، گرمی سی لگتی تھی۔ غسل کرنے سے ٹھنڈک اور سکون حاصل ہوتا تھا۔ اس کے حواس میں گویا احساسات کی ایسی گرم ہوا چلتی تھی کہ وہ دن میں دوبار کبھی تین بار غسل کرنے لگتی تھی گویا آگ پر پانی چھڑکتی رہتی تھی۔

ایک دوپہر وہ غسل کرکے بالکونی کی دھوپ میں آئی۔ بھیگی زلفوں کو جھٹکنے اور سلجھانے لگی۔ ایسے ہی وقت بالکونی کے امیشنن پودے پر نظر گئی۔ پودے کے ایک بڑے سے پتے پر ایک تصویر دکھائی دی۔ اس نے قریب آکر اسے اٹھا کر اس پر ایک نظر ڈالی۔ باہر کی ایک فالتو چیز کہیں سے بالکونی میں آگئی تھی۔ اسے پھینک دینا چاہئے تھا اور وہ پھینکنے والی تھی۔ پھر ٹھٹک گئی۔

داڑھی اور مونچھوں کے پیچھے دو چمکتی ہوئی آنکھوں نے اسے پکارا تھا۔ گزرے ہوئے لمحات کا چہرہ جھلکنے لگا تھا۔ اس نے تصویر نہیں پھینکی۔ اسے توجہ سے دیکھنے لگی۔ جتنی توجہ اور شناسائی سے دیکھنے لگی، اتنی ہی تیزی سے دل دھڑکنے لگا۔

وہ تصویر کو دیکھ رہی تھی اور تصور میں اس کی داڑھی مونچھیں مٹارہی تھی اس طرح یارسیال کا کلین شیو چہرہ صاف نظر آرہا تھا۔ جب وہ نظر آیا تو اس نے نظریں پھیرلیں۔ وہ پہلے بھی اسے دیکھ کر نظریں پھیرلیتی تھی۔ اس بار اس نے نفرت سے ایسا نہیں کیا۔ شاید ندامت سے ایسا کیا تھا۔

پھر اس نے آہستہ آہستہ سر گھما کر چور نظروں سے تصویر کو دیکھا۔ کیونکہ وہ تصویر میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظریں ملاتے ہوئے جھجک سی رہی تھی۔ لیکن تصویر سے نظریں ملانا اور اسے یقین کی حد تک پہچاننا ضروری تھا۔

دور باغیچہ میں جیراں ایک درخت کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ بالکونی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنی دور سے بی بی جی کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے۔ مگر یہ نظر آرہا تھا کہ تصویر ہاتھ میں آنے کے بعد چپک گئی ہے۔ وہ اسے نہیں پھینک رہی ہے۔ اسے دیکھ رہی اور سوچ رہی ہے پھر دیکھ رہی ہے۔ پھر سوچ رہی ہے۔

اس کے بعد وہ بالکونی سے کمرے میں چلی گئی۔ چند لمحوں کے بعد جیراں نے ان گھنٹیوں کی آوازیں سنیں، جو خادماؤں کو بلانے کے لئے بجائی جاتی تھیں۔ جب ایک خادمہ کو بلانا ہوتا تو کوٹھی کے اندر صرف ایک گھنٹی بجتی تھی۔ اس وقت کوٹھی کے اندر اور باہر تمام گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ چار بوڑھی اور جوان خادمائیں دوڑتی ہوئی بیڈروم میں پہنچ گئیں۔

نازاں ایک ایزی چیئر پر ملکہ عالیہ کی طرح تن کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے تمام خادماؤں کو دیکھا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر وہ تصویر دکھاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کس کی تصویر ہے؟ میری بالکونی میں کیسے آئی ہے؟"

وہ چاروں قریب آکر اس تصویر کو دیکھنے لگیں۔ ان میں جیراں اور زینت بھی تھیں۔ جیراں نے اس سلسلے میں زینت کو رازدار بنالیا تھا۔ اور

زینت بخوشی رازدار بن گئی تھی کیونکہ یارسیال اس کا محسن تھا۔

ان چاروں نے پیچھے ہٹ کر اس تصویر کو پہچاننے سے انکار کردیا۔ ایک نے کہا۔ "میں اسے نہیں جانتی۔ پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔"

دوسری نے کہا۔ "میں بھی اسے نہیں جانتی۔ میں تو صبح سے آپ کے کمرے میں نہیں آئی پتہ نہیں یہ تصویر کہاں سے آئی ہے؟"

زینت نے کہا۔ "اس تصویر والے کو میں بھی نہیں جانتی ہوں۔ میں صبح سے کچن میں مصروف ہوں۔ آپ کے بیڈروم میں آنے کی فرصت نہیں ملی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تصویر ہم میں سے کوئی نہیں لایا ہے تو یہ خود کیسے چلی آئی ہے؟"

نازاں نے جیراں کو دیکھا۔ وہ بولی۔ "بی بی جی! میں اکیلے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

نازاں نے ان تینوں کو جانے کا حکم دیا۔ وہ بیڈروم سے باہر گئیں۔ جیراں نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر قریب آکر رازداری سے پوچھا۔ "آپ نے تصویر کو غور سے دیکھا ہے؟ یہ ــــــ یہ تو بالکل وہی ہے۔"

نازاں نے انجان بن کر پوچھا۔ "وہی کون؟ صاف صاف بول۔"

"میں نے آپ کی شادی میں آپ کے دولہا میاں کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ یہ تصویر والا بالکل دولہا میاں کے جیسا لگ رہا ہے۔"

وہ تصویر کو ایک طرف پھینکتی ہوئی بولی۔ "وہ مرچکا ہے۔ پھر یہ تصویر یہاں کیسے آئی ہے؟"

"بی بی جی! میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ جو دولہا میاں مرچکے ہیں، وہ زندہ نہیں ہوسکتے۔ اگر آپ سے پہلے میں یہ تصویر یہاں دیکھ لیتی تو آپ سے چھپالیتی۔ اس تصویر کو دیکھ کر آپ کا غم تازہ ہورہا ہوگا۔"

"بکواس مت کر۔ مجھے کسی کا غم نہیں ہے۔ میں سوچتی ہوں، یہ تصویر یہاں کیوں آئی؟ کیسے آئی؟"

"بی بی جی! یہ تو جاسوسی کرنے والی بات ہے۔ اگر بالکونی میں ملی ہے تو کسی نے باہر سے پھینکی ہوگی۔ یا ہوا سے اڑ کر آئی ہوگی۔"

"طوفانی ہوا نہیں چل رہی تھی کہ یہ اڑ کر آئی ہے۔ پھر ایسا کون ہوسکتا ہے کہ یہ تصویر میری بالکونی میں پھینک کر جائے گا؟"

"بی بی جی! آپ مجھے جاہل گنوار کہیں گی۔ مگر ہمارے بزرگ کہتے آئے ہیں کہ بے چین روحیں بھٹکتی رہتی ہیں اور جسے چاہتی ہیں، ان کے لئے تحفے بھیجتی رہتی ہیں۔"

"بکواس نہ کر۔ کیا اس کی روح اپنی تصویر دے کر گئی ہے؟ کیا روحیں فوٹوگرافی کرتی ہیں؟ چل بھاگ یہاں سے۔"

وہ جانے لگی پھر پلٹ کر فرش پر پڑی ہوئی تصویر کو دیکھ کر بولی۔ "اسے لے جاؤں؟ باہر پھاڑ کر پھینک دوں گی۔"

"نہیں۔ میں اسے جلادوں گی۔ تو جا یہاں سے۔"

وہ دروازہ بند کرتی ہوئی باہر چلی گئی۔ نازاں ایزی چیئر پر بیٹھی آگے پیچھے جھولنے لگی۔ فرش پر پڑی ہوئی تصویر کو دیکھنے لگی۔ بعض اوقات یہ ضعیف

الاعتقادی دل کو لگتی ہے کہ بے چین روحیں دنیا میں بھٹکتی ہیں احساس جرم کہنے لگا کہ یارسیال کی روح بے چین ہے۔ جسے زندگی میں نہ پاسکی، مرنے کے بعد اس کے آس پاس بھٹک رہی ہے۔

وہ پریشان ہو کر دور پڑی ہوئی تصویر کو دیکھنے لگی۔ ضعیف الاعتقادی کے باوجود عقل نے کہا، روح کوئی پوسٹ مین نہیں ہوتی کہ قبرستان کے ڈاک خانے سے اپنی تصویر لا کر گھر کے دروازے یا بالکونی میں پہنچائے۔ آج تصویر لائی ہے تو کل کسی مردے کا خط پہنچائے گی؟

نازاں کے لئے روح کا معاملہ مضحکہ خیز تھا لیکن وہ آسیب سے انکار نہیں کرسکتی تھی کیونکہ آسیب وہ خیال ہوتا ہے، وہ یادیں ہوتی ہیں، جو ایک بلا کی طرح ذہن پر حاوی رہتا ہے۔ اور اتنی شدت سے حاوی ہوتی ہیں کہ یاد آنے والا مردہ آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔

فی الحال سامنے آسیب نہیں تھا، تصویر تھی۔ اسے پکار رہی تھی۔ اس سے پوچھ رہی تھی۔ "کیا مجھ سے پیچھا چھڑا سکوگی؟"

یہ سوال ہمیشہ الجھاتا رہے گا کہ تصویر اس کی بالکونی میں کہاں سے آئی؟ آخر یہ کیا بھید ہے؟

وہ کرسی سے اٹھ گئی۔ اس نے ایک نظر تصویر پر ڈالی۔ پھر دروازے کی طرف دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دروازے کے دوسری طرف تمام خادمائیں کھڑی ہوئی اسے دیکھ رہی ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ پھر اسے کھول کر دیکھا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ کوریڈور ویران سا

تھا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کردیا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر فرش پر پڑی ہوئی تصویر کے پاس آگئی۔

جب وہ کوئی چیز پھینک دیتی تھی تو اسے دوبارہ اٹھانا تو دور کی بات ہے' اس پر تھوکنے بھی نہیں جاتی تھی۔ اس وقت وہ تصویر کے پاس گئی' جیسے تھوکنے گئی ہو۔ لیکن زندگی میں پہلی بار اس نے ٹھکرائی ہوئی چیز کو جھک کر اٹھالیا۔

اسے سینے سے نہیں لگایا۔ پیار سے اس کی پذیرائی نہیں کی۔ وہ محبت کے حصار میں آنے سے پہلے کشمکش میں تھی۔

❑*❑

لاثانی بیگم طلاق لینے کے بعد اپنی بیٹی کی طرح عدت کے دن گزار رہی تھی۔ اس کی بیٹیاں اور بیٹے اپنی اپنی کوٹھیوں میں چلے گئے تھے لیکن شام کو ماں کے پاس آجاتے تھے اور باپ کی جاگیر میں آئندہ تسلط رہنے کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔

اس کے بڑے بیٹے خرم نے کہا۔ "پاپا! جو کہتے ہیں' وہ کر دکھاتے ہیں۔ اس بار وہ ایک نئی تیسری کو لائیں گے۔ ہماری جو دوسری سوتیلی ماں ہے۔ وہ پاپا کو جیتنے میں ناکام رہے گی۔ اس بار وہ دوسری سوتیلی ماں ہماری دشمن نہیں ہے۔ دشمن وہ تیسری ہے۔ ہمیں اس کے خلاف محاذ بنانا ہوگا۔"

بڑی بیٹی شینا نے کہا۔ "مگر وہ تیسری کون ہے؟ یہ ابھی تک معلوم نہ ہوسکا کہ پاپا کا نیا انتخاب کیا ہوگا؟"

لاثانی بیگم نے کہا۔ "مخبر نے بتایا ہے کہ شاہ جی نے ابھی کسی تیسری کو پسند نہیں کیا ہے۔ کسی اچھی کی تلاش میں ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اچھی تو کیا بری بھی نہ ملے۔ شاہ جی کی جاگیر ہماری ہے' ہماری رہے گی۔"

ظفر نے کہا۔ "ممی! اگر ہم سوتیلی ماں سے اتحاد کریں تو تیسری کے مقابلے میں زیادہ طاقتور رہیں گے۔ اپنی متحدہ قوتوں سے جاگیر میں ایسا انتشار پیدا کریں گے کہ پاپا بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہ جائیں گے۔ تیسری لانے کی انہیں فرصت ہی نہیں ملے گی۔"

"ہاں بیٹے! کچھ گڑبڑ پھیلا کر تمہارے پاپا کو دوسری طرف الجھانا ہوگا۔ مگر تمہاری سوتیلی ماں سے شاید سمجھوتہ نہیں ہوسکے گا۔"

"کیوں نہیں ہوسکے گا؟ آپ کوشش تو کریں۔"

لاثانی بیگم نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "میں کئی دنوں سے سوچ رہی ہوں۔ اگر ہم نے متحد ہوکر تیسری کو نہ آنے دیا تو اس کامیابی کا فائدہ دوسری کو پہنچے گا۔ شاہ جی مجھے نہیں اسے اپنی شریک حیات بنائیں گے۔"

خرم نے کہا۔ "پچھلی بار ایسا ہوا تھا۔ ہم نے ایسی سازش کی تھی کہ پاپا نے اسے دو برس کے بعد ہی طلاق دیدی تھی۔ آپ دوسری کی فکر نہ کریں۔ ہم پھر اسے اوپر چڑھا کر نیچے گرادیں گے۔"

لاثانی بیگم نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو' میں لاثانی بیگم بول رہی ہوں' شہناز بیگم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ انتظار کرنے لگی۔ پھر دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"ہیلو لاثانی! کیا تم ہو؟"

"ہیلو میں بول رہی ہوں۔ تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ کیا تم موجودہ حالات پر مجھ سے گفتگو کرنا چاہوگی؟"

"ہم نے پہلے کبھی ایک دوسرے سے بولنا گوارا نہیں کیا۔ لیکن اب کسی تیسری کا وجود مجبور کر رہا ہے کہ ہمیں سر جوڑ کر کچھ سوچنا اور کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں اس معاملے میں گفتگو کرنے کے لئے تمہارے پاس آسکتی تھی لیکن مجبور ہوں۔ عدت کے دن گزار رہی ہوں۔ اپنی کوٹھی سے باہر نہیں جاسکتی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے پاس آجاؤں گی۔"

"یو آر موسٹ ویلکم۔ مجھے اور میرے بچوں کو بڑی خوشی ہوگی۔ آج رات ہمارے ساتھ ڈنر کرو۔"

"آج رات شاہ جی کے ساتھ پرل میں ڈنر کروں گی۔ کوشش کروں گی کہ ان کے دماغ سے تیسری بالکل نکل جائے۔"

"اچھا تو میرے پاس کب آرہی ہو؟"

"کل کی رات مناسب رہے گی۔ کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ ہمارے ساتھ ڈنر کروگی۔ ہم انتظار کریں گے۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ لاثانی بیگم نے ناگواری سے منہ بنا کر ریسیور رکھتے

ہوئے کہا۔ "کتیا کہیں کی۔ آج شاہ جی کے ساتھ پرل میں ڈنر کرے گی۔ اس نے ضرور کوئی نئی پلاننگ کی ہے۔"

"ممی! آپ خوامخواہ اپنا خون جلاتی ہیں۔ وہ اپنے لئے راستہ ہموار کرے گی۔ اسے کرنے دیں۔ ہمارا مقصد تیسری کو روکنا ہے۔ آپ دوسری کی نہیں تیسری کی فکر کریں۔ دوسری کو تخت پر آنے دیں۔ ہم اس کا تختہ کردیں گے۔"

لاثانی بیگم سر جھکا کر سوچنے لگی۔ وہ اور شہناز بیگم کسی تیسری کو نہیں جانتی تھیں۔ تیسری کے سلسلے میں صرف یہ فکر تھی کہ وہ دیانت دار اور وفاشعار ہوگی تو ان کا کیا بنے گا۔ اب تک اس جاگیر میں جو لوٹ کھسوٹ جاری تھی' وہ ختم ہوجائے گی۔ تیسری آکر جاگیر کو بچائے گی اور ذاتی مفادات حاصل کرنے کے تمام ذرائع ختم کردے گی۔

صرف اتنا ہی نہیں' ان دونوں نے زمین جائیداد اور نقد رقم حاصل کرنے کے سلسلے میں اب تک جتنے فراڈ کئے ہیں' تیسری ان تمام فراڈ کے حوالے سے دونوں کو عدالت میں گھسیٹے گی ان کا کچا چٹھہ کھولے گی۔ انہیں قانون کی گرفت میں لائے گی اور انہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہنے دے گی۔

تیسری سے بنیادی خطرہ یہی تھا کہ ان کے مکروہ چہرں سے نقاب اٹھ جائے گا۔

❑*❑

کسی کا حسن' ناز و انداز اور تمام خوبیاں اپنی طرف کھینچنے لگے تو اسے محبت کہتے ہیں۔ لیکن عشق وہ ہے جو صرف خوبیوں کو نہیں' محبوب کی خرابیوں کو بھی گلے لگاتا ہے۔ اس اعتبار سے یارسیال اپنی نازاں کا سچا عاشق تھا' اس کے غرور اور بدمزاجی کے باوجود اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

ویسے عجیب چاہت تھی۔ عجیب عشق تھا کہ انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ نازاں نے اسے قتل نہیں کیا تھا لیکن قتل کرانے کی سازش میں شریک رہی تھی۔ پھر وہ اپنی معصوم بہن کی ذلت آمیز موت کو نہیں بھلا سکتا تھا۔ نازاں کے ذریعہ ظالموں سے انتقام لے سکتا تھا اور وہ یہی کر رہا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ' سوچ سوچ کر قدم اٹھا رہا تھا کیونکہ دشمن بہت زبردست اور بااختیار تھا۔

عشق کے حوالے سے یہ بات بڑی خوش کن تھی کہ نازاں نے اس کی تصویر رکھ لی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ تصویر جلا ڈالے گی۔ لیکن جیراں نے بیڈروم کی صفائی اور سیٹنگ کرتے وقت تکیے کے غلاف کے اندر وہ تصویر دیکھی تھی۔ پھر انجان بن گئی تھی۔

جیراں نے زینت کے مکان میں یارسیال سے ملاقات کی تھی۔ اسے نازاں کے بارے میں بتایا تھا کہ تصویر دیکھنے کے بعد اس کا ردعمل کیا رہا تھا۔ اس نے خادماؤں کے سامنے اس تصویر کو غصہ سے پھینک دیا تھا۔ پھر ان کے جانے کے بعد اسے اٹھالیا تھا۔ اس تصویر کو اس نے بڑی رازداری سے چھپا رکھا ہے۔

زینت نے کہا۔ "جیراں نے تمہاری خواہش کے مطابق تمہاری تصویر بی بی جی تک پہنچادی۔ اب تم وعدہ پورا کرو اور بتاؤ' تم کیا سوچ کر اس مغرور امیرزادی سے دلچسپی لے رہے ہو؟ کیا اس کی دہلیز تک کبھی پہنچ سکوگے؟"

یارسیال نے کہا۔ "مجھے تم دونوں پر بھروسہ ہے۔ پھر بھی پوچھ رہا ہوں۔ اگر اپنا ایک راز بتاؤں تو کیا رازدار بن کر رہوگی۔"

"جب ہم پر بھروسہ کر رہے ہو تو آئندہ بھی کرتے رہو۔ تمہاری کوئی بات ہم دو کے علاوہ کسی تیسرے کے کانوں تک نہیں پہنچے گی۔"

"تو پھر سنو تمہاری بی بی جی کا خاوند زندہ ہے اور تمہارے سامنے موجود ہے۔"

دونوں نے اسے چونک کر دیکھا۔ بی بی جی کے خاوند کا ہم شکل ہونا ہی

اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ جو کہہ رہا تھا' درست کہہ رہا تھا۔ زینت نے پوچھا۔ "آپ زندہ ہیں تو اپنی بیوی کے پاس کیوں نہیں جاتے؟ اس سے کیوں چھپ رہے ہیں؟"

"وہ آج بھی میری منکوحہ ہے۔ مگر وہ اور اس کے خاندان والے میرے دشمن ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی کامیاب سازش کے نتیجے میں مرچکا ہوں۔ جبکہ میری جگہ کوئی دوسرا بے چارہ مارا گیا ہے۔ وہ سب مجھے مردہ سمجھ رہے ہیں۔ میں بھی مصلحتاً انہیں یہی سمجھا رہا ہوں۔"

"لیکن یوں چھپے رہنے میں مصلحت کیا ہے؟"

"زینت! میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری بہن بدنام ہوگئی تھی اور اس نے بدنامی برداشت نہ کرتے ہوئے خودکشی کی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ نازاں کے بھائی خرم نے میری بہن کو اغوا کیا تھا۔ اس نے معصوم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ وہ کنواری ماں بننے والی تھی۔ ایسی حالت میں اس نے جان دیدی۔"

یارسیال نے جیراں کو دیکھا۔ وہ آنچل سے منہ ڈھانپ کر رو رہی تھی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے جیراں؟"

زینت نے کہا۔ "جو تمہاری بہن کے ساتھ ہوا' وہی اس کے ساتھ ہوچکا ہے۔ خرم صاحب نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی۔ جب یہ ماں بننے والی تھی تو بڑی بیگم صاحبہ نے اس کا بچہ ضائع کرادیا۔ اسے دھمکیاں دیں گئیں کہ کسی کے سامنے خرم صاحب کو بدنام کرے گی تو نوکری سے

بھی جائے گی اور جان سے بھی۔"

"اتنا کچھ ہونے پر بھی اسے خرم صاحب کہہ رہی ہو؟"

"ہم غریب ہیں آقا کو صاحب ہی کہیں گے۔"

"شیطان خواہ کتنا ہی زبردست ہو' اسے شیطان صاحب نہیں کہتے۔ کاٹنے والے کتے کو ہمیشہ کتے کی موت مارنا چاہئے۔"

جیراں نے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ غریبی اور کمزوری کے باوجود کبھی موقع ملا تو ضرور انتقام لوں گی۔ میں کبھی نہیں روتی۔ آپ نے اپنی بہن کی بات کی تو مجھے جیسے ہمدرد مل گیا' اس لئے آنسو آگئے' اب نہیں روؤں گی۔"

زینت نے کہا۔ "آپ بی بی جی کے خاوند ہیں۔ ہمارے مالک ہیں۔ ہمیں بتائیں' ہم آپ کے لئے کیا کرسکتے ہیں؟"

"میں نازاں تک اس طرح پہنچنا چاہتا ہوں کہ وہ مجھے پہچان کر بھی نہ پہچانے۔ یقین نہ کرے کہ میں زندہ ہوں۔"

"آپ کہہ سکتے ہیں کہ بی بی جی کے خاوند کے ہم شکل ہیں۔"

"ہاں کہہ سکتا ہوں۔ وہ مجھے ہمشکل تسلیم کرسکتی ہے۔ لیکن وہ جس خاوند کو خود سے کمتر سمجھتی رہی۔ اس کے ہمشکل سے کیوں ملے گی؟"

"آپ عورت کو نہیں سمجھتے۔ وہ اوپر سے کچھ ہوتی ہے اور اندر سے کچھ' جو شدید نفرت کرتی ہے' وہ شدت سے محبت بھی کرنے لگتی ہے۔"

جیراں نے کہا۔ "انہوں نے آپ کی تصویر چھپا رکھی ہے وہ ہمارے

سامنے اپنی محبت ظاہر نہیں کرتی ہیں کیونکہ اندر سے پچھتاوا اور شرمندگی ہے اس کا کوئی تو محبت کا پہلو ہوگا کہ وہ آپ کی تصویر کے ساتھ رہتی ہے۔"

زینت نے کہا "میں تو کہتی ہوں' آپ خود کو ظاہر کردیں۔ وہ پچھتا رہی ہیں۔ آپ کو دل و جان سے قبول کرلیں گی۔"

"نہیں جس نے مجھے مردہ بنایا ہے' میں اسے مردہ بن کر ہی ملوں گا۔"

"ایسے کس طرح مل سکیں گے؟ اگر وہ آپ کو دیکھ کر بھی مردہ سمجھیں گی تو آپ اس کے لئے اجنبی ہوں گے اور وہ کسی اجنبی سے ملاقات نہیں کریں گی۔"

"اگر تم دونوں مجھ سے تعاون کروگی تو میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤں گا۔ یہ بار بار نہ پوچھو کہ اس سے کس طرح مل سکوں گا۔ میں رفتہ رفتہ سب کچھ بتاتا رہوں گا۔"

"آپ مالک ہیں جو حکم دیں گے' ہم وہ کریں گے۔"

"مجھے یہ بتاؤ' وہ کھانے میں کون کون سی ڈشیں پسند کرتی ہے؟ کب سوتی ہے کب جاگتی ہے؟"

"جو چیز بھی لذیذ پکائی جائے' وہ شوق سے کھالیتی ہیں۔ آخر میں سوئٹ ڈش ضرور چکھتی ہیں۔ رات نو بجے کھانے کے بعد اپنی خوابگاہ کا دروازہ بند کرلیتی ہیں۔ پھر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب تک جاگتی ہیں اور کب سوجاتی ہیں؟ لیکن گرمی' سردی اور بارش کوئی سا موسم ہو' وہ صبح پانچ بجے

موسم بدل رہا تھا۔ شام ہی سے بادل چھانے لگے تھے۔ ہلکی ہلکی بارش ہوتی تھی۔ پھر تھم جاتی اور پھر ویسی ہی بارش ہونے لگتی تھی۔ بڑا ہی شریر اور جذباتی موسم تھا بدن میں آگ بھر دیتا تھا۔

وہ اپنے دھڑکتے ہوئے سینے پر دونوں ہاتھوں کی قینچی بنائے بالکونی میں کھڑی ہوئی تھی۔ باہر تاریکی تھی۔ ہلکی ہلکی پھواریں اسے کہیں کہیں سے بھگو رہی تھیں۔ جہاں پانی پڑتا تھا' وہاں جلتے ہوئے بدن کو آرام آتا تھا۔ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ یہ تنہائی کا نہیں' ایک ساتھی کا موسم ہے۔ جس کا ساتھی آنے والا ہوگا' وہ کہتی ہوگی' اے ابر باراں ذرا تھم کے برسنا۔ آجائے میرا یار تو پھر جم کے برسنا۔

وہ نامراد تھی۔ اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا۔ ساتھی کی ایک تصویر تھی'

جو دل بہلا سکتی تھی۔ جذبات کو نہیں بہلا سکتی تھی۔ ایسی بھیگی رت میں جذبات بہلتے نہیں' مچلتے ہیں۔ شانت نہیں ہوتے' شور مچاتے ہیں۔ اس شور میں وہ کسے پکارے گی؟ محبت کو کچلنے والی نے ایسی عمر میں' ایسے موسم میں اپنی خواب گاہ کو حسرتوں کا مقبرہ بنالیا تھا۔

جیراں نے آکر کہا۔ "بی بی جی! کھانا لگا دیا ہے۔"

وہ بالکونی سے پلٹ کر بیڈ روم میں آئی۔ پھر وہاں سے ڈائننگ روم میں پہنچی۔ میز پر اس کی پسندیدہ ڈشیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر سوچتی ہوئی نظروں سے کھانوں کو دیکھنے لگی۔ جیراں نے سوچا' موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ کہیں کھانے سے انکار نہ کر دے وہ بولی۔ "بی بی جی! آپ کی پسند کے کھانے ہیں۔ ذرا چکھ کر دیکھیں۔"

"کیا کھاؤں۔ طبیعت بوجھل سی ہے۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ کسی تفریح میں دل نہیں لگتا ہے۔ نہ کھانا پینا اچھا لگتا ہے' نہ سونا جاگنا۔"

"اچھا لگے گا بی بی جی! آج موسم کا خیال کر کے یہ سوئٹ ڈش تیار کی ہے۔ اتنی لذیذ ڈش آپ نے پہلے کبھی نہیں کھائی ہوگی۔"

"نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔"

"بی بی جی! رات کو بھوکے پیٹ نہیں سونا چاہئے۔ چلیں زیادہ نہیں' دو لقمے کھالیں۔"

اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے سوئٹ ڈش کو دیکھا۔ جیران نے جلدی سے وہ ڈش اٹھا کر اس کے آگے رکھ دی۔ نازاں نے بے دلی سے چمچ اٹھا کر

چکھنے کے انداز میں تھوڑی سی مٹھاس منہ میں رکھی۔ زبان نے ایک عجیب سی لذت محسوس کی۔ اس نے ایسی ہی سوئٹ ڈش پہلے بھی کھائی تھی لیکن پہلے والی ایسی لذیذ نہیں تھی۔ اس میں کچھ نیا پن تھا۔ اس نے دوسری بار چمچ میں زیادہ لے کر کھایا۔ وہ مٹھاس بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "اس میں کیا ملایا ہے؟"

وہ گھبراسی گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "کچھ نہیں' زینت کہہ رہی تھی' اس میں کھویا ملایا ہے کیا لذیذ نہیں ہے؟"

"ہے۔ بہت لذیذ ہے۔ تو نے ٹھیک کہا تھا' میں نے پہلے کبھی ایسا میٹھا نہیں کھایا۔"

جیراں نے خوش ہو کر ٹی وی کے پاس آکر اسے آن کیا۔ پاپ میوزک کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "بی بی جی! اچھا موڈ بنا کر کھائیں۔ صاحب کو یاد کریں اور کھانے کا مزہ آئے گا۔"

"صاحب؟" وہ کھاتے کھاتے رک گئی۔ جیراں کی بات سمجھ میں آگئی تھی۔ پھر بھی انجان بن کر بولی۔ "کون صاحب؟"

"کوئی بھی جو آپ کو اچھے لگتے ہیں انہیں آپ ہنستے ہوئے مسکراتے ہوئے یاد کریں۔ میں بھی اپنے یار کو یاد کرتی ہوں تو کھانے کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔"

"ایں؟ یار کو یاد کرتی ہو؟ کس یار کو؟"

وہ شرماتی ہوئی بولی۔ "وہ جو میرا مرد ہے نا' اس کا نام یار ہے۔"

نازاں کو بے اختیار ہنسی آگئی کیونکہ اس کے مرد کا نام بھی یارسیال تھا۔ وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "اچھا تو تیرے اس کا نام بھی یار۔۔۔یار۔۔۔"

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ یارسیال کو اپنا کہہ رہی ہے۔ جیراں نے جلدی سے کہا۔ "بی بی جی! ہنستی رہیں۔ آپ موڈ میں رہیں گی تو ساری پریشانی بھول جائیں گی۔ ذرا آپ ٹی وی دیکھیں۔ یہ کیسی حرکتیں کر رہا ہے۔"

اسکرین پر ایک پاپ سنگر ایسی مضحکہ خیز حرکتیں کر رہا تھا کہ نازاں کو ہنسی آگئی۔ وہ سنجیدہ رہنے کی عادی تھی لیکن اس وقت بے اختیار ہنسی آنے لگی تھی۔ سوئٹ ڈش اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔

اب اسکرین پر دوسرا پاپ سنگر نظر آرہا تھا۔ وہ خوبرو اور قد آور تھا۔ جیراں نے قریب آکر کہا۔ "بی بی جی! آپ ہنستی رہیں اور اس جوان کو دیکھیں۔ بالکل صاحب کے جیسا ہے۔"

وہ پہلے ہی ہنستی ہوئی اسکرین پر اسے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "صاحب؟ ہاں وہ صاحب ہے۔ ارے ہاں' دیکھ ادھر دیکھ بالکل صاحب جیسا لگ رہا ہے۔"

وہ کھا رہی تھی۔ ہنس رہی تھی۔ اسکرین پر دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "میں بھی کیا ہوں۔ جو زندہ ہے' اسے زندہ نہیں سمجھ رہی تھی۔ وہ دیکھ نظر آرہا ہے۔"

وہ ڈش کا تقریباً آدھا حصہ کھا چکی تھی۔ جیراں نے کہا۔ "بس کریں'

اور نہ کھائیں۔ ورنہ صاحب یاد آتے رہیں گے۔"

"تو کیا ہوا؟ کیا میں یاد کرنے سے ڈرتی ہوں۔ میں ڈنکے کی چوٹ پر کہوں گی میں نے اسے مار ڈالا تو کیا ہوا؟ میں اسے یاد بھی کرتی ہوں۔ اس کی یاد کبھی بھی نہیں مرے گی! ارے وہ ٹی وی کے اندر تھا۔ کہاں چلا گیا؟"

"وہ آپ کے بیڈ روم میں گیا ہے۔ آئیں' میں آپ کو لے چلوں۔"

وہ اس کے سہارے کے بغیر کرسی سے اٹھ گئی۔ یہ ایسا نشہ ہوتا ہے کہ قدم نہیں لڑکھڑاتے۔ آدمی ادھر سے ادھر نہیں بھٹکتا۔ کچھ حواس میں رہتا ہے اور کچھ بدحواسی طاری رہتی ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے کھانے پینے کے دوران جو ہنستا رہتا ہے وہ نشہ رہنے تک ہنستا ہی رہتا ہے۔ جو روتا ہے' وہ روتا ہی رہتا ہے۔ ایسے وقت نازاں خوش دلی سے یاد کرتی رہی تھی۔ اس لئے وہی اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا۔

جیراں نے اسے بیڈ روم میں پہنچا کر دروازہ باہر سے بند کر لیا۔ وہ خواب گاہ میں تنہا رہ گئی۔ بالکونی کے باہر بادل گرج رہے تھے۔ کبھی کبھی کڑکتی ہوئی بجلی کی چمک خواب گاہ کے اندر تک پہنچتی تھی۔ وہ دروازے سے چلتی ہوئی بیڈ کے سرہانے آکر رک گئی۔ پھر تکیہ پر ہاتھ مار کر بولی۔ "ارے! کہاں ہو تم؟ چلو نکلو۔"

اس نے تکیہ کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔ "وہاں اس کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ وہ تصویر پر جھکتی ہوئی' ہنستی ہوئی بولی۔ "چور کہیں کے! یہاں چھپے ہوئے ہو۔۔۔"

اس نے تصویر اٹھا کر سینے سے لگالی۔ سرد آہ بھر کر بولی۔ "آہ! کیا کروں؟ جب بھی دھڑکنوں سے لگانا چاہتی ہوں' تصویر بن جاتے ہو' مجھ سے یہ آنکھ مچولی کیوں کھیل رہے ہو؟"

بادل گرجنے لگے۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے بیڈ کے پاس سے پلٹ کر بالکونی کی طرف دیکھا۔ ہوا سے لہراتے ہوئے باریک ریشمی پردے کے پیچھے وہ ایک سائے کی طرح نظر آرہا تھا۔ آسمان کی وسعتوں میں زور سے کڑکنے والی بجلی دور تک لہراتی گئی۔ لہراتی ہوئی چمک سے یارسیال تاریکی سے ابھر آیا۔ وہ تاریک بالکونی میں کھڑا ہوا تھا۔

وہ پہلے چند ساعتوں تک اسے دیکھتی رہی۔ پھر مسکرائی۔ پھر ہنسنے لگی۔ اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔ "تم آتے رہو' جاتے رہو۔ آنکھ مچولی کھیلتے رہو اور کیا کرو گے؟"

اس نے تاریک بالکونی سے آواز دی۔ "نازاں!"

"ہاں تمہیں دیکھتی بھی ہوں اور تمہاری آواز بھی سنتی ہوں۔ مگر دھوکہ نہیں کھاؤں گی۔ تم خود کبھی نہیں آؤ گے۔ پہلے تم کتنے اچھے تھے۔ بڑی دلیری سے میرے بیڈ روم میں چلے آئے تھے۔ اب وہ تمہاری مردانگی کہاں گئی؟ آؤ' آجاؤ۔۔۔"

وہ تاریک بالکونی سے چلتا ہوا' ریشمی پردے ہٹاتا ہوا خواب گاہ کی روشنی میں آگیا۔ یکبارگی بجلی زور سے کڑکی۔ بادل یوں گرجے جیسے شیر گرجتا ہوا آیا ہو۔ روشنی میں وہ صاف طور سے نظر آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر

داڑھی مونچھیں نہیں تھیں۔ سر کے بال بڑھے ہوئے نہیں تھے۔ سلیقے سے تراشیدہ تھے۔ ویسا ہی کلین شیوڈ اور اسمارٹ یارسیال اسے نظر آرہا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویر کو دیکھا۔ پھر کچھ فاصلہ پر اسے دیکھ کر تصویر ہاتھ سے چھوڑ دی۔ اس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "کیا میں تمہیں چھونا چاہوں گی تو تم غائب ہو جاؤ گے؟"

"میں دنیا والوں کی نظروں سے غائب رہوں گا مگر تمہیں نظر آتا رہوں گا۔ تم میری شریک حیات ہو۔ میں تمہارے ساتھ خلوت میں رہوں گا' جلوت میں نہیں۔ آؤ! مجھے چھو لو اور مجھے پالو۔"

وہ چھونے کے لئے ہاتھ بڑھا کر اس کے قریب آنے لگی۔ وہ بلند و بالا پہاڑ کی طرح ساکت کھڑا ہوا تھا۔ جسے پالینا چاہتا تھا' جسے چھولینا چاہتا تھا' وہ خود اس کی طرف کھنچی چلی آرہی تھی۔ اور وہ آگئی۔ اسے چھو لیا۔ خوش ہو کر بولی۔ "تم ہو' موجود ہو۔ میں خواب نہیں دیکھ رہی ہوں۔"

"ہاں یہ خواب نہیں ہے۔ نشے کا جادو ہے۔ جب تک جادو سر چڑھ کر بولتا رہے گا تم مجھے حاصل کرتی رہو گی۔ نشہ اترے گا تو تم' تم نہیں رہو گی' میں' میں نہیں رہوں گا اس طلسماتی رات کی صبح ہو چکی ہو گی۔"

وہ اسے چھونے لگی۔ دونوں ہتھیلیاں اس کے چہرے پر پھیرنے لگی۔ پھر اس نے دونوں بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیں۔ باہر سے بارش کی رم جھم رم جھم کی موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ برکھا رت کی ہوائیں اس کی ریشمی زلفیں اڑا رہی تھیں۔ وہ زلفیں یوں رہ رہ کر فضا میں لہرا رہی تھیں'

جیسے ہاتھ رہ رہ کر دعا کے لئے اٹھ رہے ہوں۔ "اے خدا! میرا یار سلامت رہے اور وصال کی یہ گھڑیاں کبھی نہ گزریں۔۔۔"

گھڑیاں گزرنے کے لئے آتی ہیں۔

وقت آتا ہے' کنواری چاہتوں پر شب خون مارتا ہے۔ مسرتوں سے مالا مال کرتا ہے۔ پھر فاتحانہ شان سے گزر جاتا ہے۔

وہ اسے پا رہی تھی' کھونے کے لئے۔

وصال کا اگلا لمحہ جدائی ہے۔

❑*❑

شہناز بیگم اس بات پر اڑ گئی کہ نازاں کو اپنی بہو بنائے گی۔ تب ہی لاثانی بیگم سے اتحاد کرے گی۔ یہ بڑا ہی بے تکا اور احمقانہ مطالبہ تھا۔ لاثانی بیگم نے پوچھا۔ "میری بیٹی تمہاری بہو کیسے بن سکتی ہے۔ میرے تمام بچوں کا اور تمہارے تمام بچوں کا ایک ہی باپ ہے۔ ان سب کی مائیں دو ہیں۔ لیکن باپ ایک ہے۔"

شہناز بیگم نے کہا۔ "یہ نہ بھولو کہ ہم نے حلالہ کے لئے دوسری شادیاں بھی کی ہیں۔ ہمارے دوسروں شوہروں سے بھی اولادیں ہوتی رہی ہیں۔ میں اپنے اس بیٹے کے لئے نازاں کا رشتہ مانگ رہی ہوں' جو میرے دوسرے شوہر سے ہے۔"

لاثانی بیگم نے ناگواری سے کہا۔ "ایسے شوہروں کی کیا اوقات' کیا

حیثیت ہے' جو ہمیں حلالہ بنانے کے لئے عارضی طور پر آتے ہیں۔ یہ کرائے کے ٹٹو ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی سماجی مرتبہ نہیں ہوتا۔ میں اپنے بچوں کی شادیاں ان خاندانوں میں کروں گی' جو صدیوں سے اب تک اعلیٰ اور باوقار کہلاتے رہے ہیں۔"

"جنہیں تم کرائے کے ٹٹو کہہ رہی ہو' ہم دونوں ان کے ساتھ راتیں گزار چکی ہیں۔ اونچے جاگیردارانہ خاندان میں رہنے کے باعث ہماری بے ۔۔۔ پر کوئی کیچڑ اچھالنے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ لیکن ہم انہی کرائے کے ٹٹو کی سطح سے اونچے نہیں ہیں۔ انہی کی طرح کمتر ہیں۔"

"تمہاری باتیں تلخ ہیں مگر درست ہیں لیکن عزت اور شرافت کا سرٹیفکیٹ اچھے اعمال سے نہیں' ہیرا پھیری والی حکمت عملی سے ملتا ہے۔ اور سرٹیفکیٹ تو بہت چھوٹی چیز ہے۔ ہم نے تو عزت اور شرافت کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ اگر ہم اپنے بچوں کی شادیاں ایک دوسرے سے کریں گے تو آئندہ ہماری حکمت عملی کمزور ہونے لگے گی۔"

"ہم کمزور نہیں ہوں گے۔ مضبوط ہوں گے۔ تم مجھ سے اتحاد کرنا چاہتی ہو۔ اتحاد کا پہلا اصول یہی ہے کہ آپس میں شادیاں کی جائیں۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ خرم تمہارے دوسرے شوہر کا بیٹا ہے۔ وہ سلیمان شاہ کا خون نہیں ہے۔ تم میری بیٹی کو خرم سے منسوب کر کے اسے اپنی بہو بنا سکتی ہو۔ ذرا سوچو' میرا بیٹا تمہارا داماد اور تمہارا بیٹا میرا داماد ہوگا تو ہمارے درمیان کتنا مضبوط اتحاد قائم ہوگا۔ ہم متحد ہو کر سلیمان شاہ کے

خلاف جو تحریک چلائیں گے وہ ہمارے حق میں نتیجہ خیز ہوگی۔"

خرم نے اپنی سوتیلی ماں شہناز بیگم کی بیٹی صائمہ کو دیکھا تھا۔ وہ بہت حسین تھی۔ اگر اس جاگیر کی رعایا میں سے ہوتی تو اسے اغوا کر لیتا لیکن شہناز بیگم کے مال پر ہاتھ ڈالنا آسان نہ تھا۔ اس نے کہا۔ "اگر آپ صائمہ کو نہر کنارے والی تمام زمینیں جہیز میں دیں گی تو میں شادی کے لئے ممی کو راضی کر لوں گا۔"

لاثانی بیگم نے بیٹے کی مخالفت نہیں کی۔ وہ جانتی تھی کہ نہر کنارے والی زمینوں کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے۔ شہناز بیگم نے کہا۔ "میں انکار نہیں کروں گی کیونکہ بیٹیاں جہیز لے کر جاتی ہیں۔ مرگلہ میں نازاں کی جو زمینیں ہیں' وہ انہیں جہیز میں لے کر آئے گی۔"

اسلام آباد جس تیزی سے بڑھتا اور پھیلتا جا رہا تھا' اس کے نتیجے میں مرگلہ کے اطراف کی زمینیں سونے کے بھاؤ فروخت ہو رہی تھیں۔ لاثانی بیگم نے کہا۔ "وہ زمین نازاں کے نام نہیں ہیں' وہ میری ہیں۔"

"لاثانی! میرے پاس تمہاری اور تمہاری تمام اولاد کی جائداد کا حساب موجود ہے میں نے رشوتیں دے کر کورٹ سے ان زمینوں کے کاغذات نکلوائے ہیں اور ان کی نقلیں اپنے پاس رکھی ہیں۔"

لاثانی بیگم نے بھی شہناز اور اس کی تمام اولاد کی جائداد کا حساب رکھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کم نہیں تھیں۔ دونوں نے اس جاگیر میں لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ بے حساب مال بنایا تھا اور آئندہ متحد ہو کر ایک

دوسرے کے تعاون سے زیادہ زمین اور جائداد حاصل کرنے کی فکر میں تھیں۔

وہ دونوں اس بات پر متفق ہو گئیں کہ شہناز بیگم کی بیٹی کو لاثانی بہو بنائے گی اور لاثانی کی بیٹی نازاں کو شہناز بہو بنا کر لے جائے گی۔

اس جاگیر میں لوٹ کھسوٹ کا عمل دکھائی دیتا تھا لیکن اخلاقی پستی اور مذہبی بے حسی کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مذہبی بے حسی یہ تھی کہ حلالہ کے قانون کو مذاق بنا دیا گیا تھا۔ سلیمان شاہ کی اونچی مسند تک پہنچنے کے لئے شادی کے حلف نامہ پر دستخط ہوتے تھے اور اس حلف نامہ سے پہلے طلاق نامہ لکھوالیا جاتا تھا۔

اخلاقی پستی یہ تھی کہ حلالہ کے مرحلے سے گزرنے کے لئے دوسرے کو عارضی شوہر بنا کر اس کے ساتھ رات گزاری جاتی تھی۔ حلالہ کا قانون درس عبرت دینے کے لئے ہے۔ لیکن ہماری دنیا میں ایسے بے حیا ہیں' جو بار بار اس قانون سے کھیلتے ہیں۔

اخلاقی پستی یہ بھی تھی کہ ایک ہی شوہر کی دو بیویاں اپنی اولادوں کی شادیاں ایک دوسرے سے کر رہی تھیں۔ یہ حساب بتا رہی تھیں کہ کون سلیمان شاہ کے خون سے ہے اور کون کرائے کے ٹٹو سے آیا ہے۔ دنیا کا کوئی مرد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا' کہ وہ اپنی اولاد کا واقعی باپ ہے۔ اس کی تصدیق عورت کرتی ہے۔ وہ سچ بتا سکتی ہے لیکن اپنے گناہ چھپانے کے لئے' دولت' جائداد اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے زید کا بچہ بکر کے نام اور بکر کا بچہ زید

کے نام کرتی رہتی ہے۔ ایسا سب نہیں کرتیں۔ ایسا بعض عورتیں کرتی ہیں مگر یہ سچ ہے کہ ہمارے آس پاس ایسا ہو رہا ہے۔

❑*❑

بارش تھم گئی تھی۔ طوفان گزر چکا تھا۔

طوفان کیا کرتا ہے؟

مغرور اور تناور درختوں کو زمین بوس کر دیتا ہے۔ شاخیں' پھول' پھل اور پتے سب بکھر جاتے ہیں۔

نازاں اپنے بیڈ پر بکھری پڑی تھی۔ وہ کہیں تھی' لباس کہیں تھا' ہوش نہیں تھا۔ نیند کا غلبہ تھا۔ کچھ لٹ جائے تو نیند اڑ جاتی ہے۔ سب کچھ لٹا کر وہ غافل سو رہی تھی۔ حاتم طائی کی بیٹی بھی اتنی سخی نہیں ہوگی۔

انٹرکام کا بزر بولنے لگا۔ وہ نیند میں کسمسائی۔ ابھی اور سونا چاہتی تھی۔ مگر آواز پریشان کر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند رکھیں۔ ایک ہاتھ سے ٹٹول کر ریسیور کو اٹھایا۔ پھر ایک بٹن دبا کر بولی۔ "کیا مصیبت ہے۔ مجھے

سونے دو۔"

جیراں کی آواز آئی۔ "بی بی جی! دوسرا دن نکل آیا ہے۔ دس بج چکے ہیں۔"

"اچھا۔ میں ابھی کال کروں گی۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر لحاف اوڑھنے کے لئے اس کے دونوں ہاتھ ادھر ادھر بھٹکنے لگے۔ پتہ چلا' سردی ہے مگر لحاف نہیں ہے۔ تب اس نے آنکھیں کھولیں۔ لحاف نظر نہیں آیا۔ اپنا بدن نظر آیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وہ خود کو چھپانا چاہتی تھی۔ لحاف بیڈ کے نیچے گرا ہوا تھا۔ اس نے لپک کر اسے اٹھایا۔ پھر اسے اپنے اوپر ڈال لیا۔ اپنے پورے وجود کو اس میں چھپالیا۔ حیران اور پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ تب رفتہ رفتہ یادداشت کے دھندلکے سے پچھلی رات کا منظر ابھرنے لگا۔

اس نے یارسیال کو دیکھا تھا۔ زندہ دیکھا تھا۔ وہ خواب نہیں تھا۔ اس کا ایک ٹھوس وجود تھا۔

ٹھوس وجود کے خیال سے وہ اپنے بدن کو چھونے لگی۔ محسوس ہوا کہ بدن کی آب و ہوا بدل گئی ہے۔ بیمار تبدیلی آب و ہوا کے لئے پہاڑوں پر جاتے ہیں' وہ پہاڑی پر آیا تھا اور جام صحت پی کر چلا گیا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ وہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ویسا ہو چکا ہے' جیسا سمجھ میں آرہا ہے۔ اور جو کچھ سمجھ میں آرہا تھا' اس میں تجسس تھا اور کئی چیختے ہوئے سوالات تھے کہ یہ کیسے ہو گیا؟ کیا وہ ہوش

وحواس میں نہیں تھی؟ کیا واقعی یارسیال آیا تھا؟ اور اگر آیا تھا تو اسے کہاں موجود رہنا چاہئے۔

وہ لحاف سے ذرا سر نکال کر دیکھنے لگی۔ کمرے میں اور بالکونی میں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ اسے قریب ہی فرش پر اپنا لباس بکھرا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے جی میں آیا کہ رونا شروع کر دے۔ اس سے اس کی مرضی نہیں پوچھی گئی تھی اور اسے چرالیا گیا تھا۔ اس چور کو یہاں ہونا چاہئے۔ شاید وہ کہیں گیا ہے۔ واپس آسکتا ہے۔

مگر کیسے آئے گا؟ کیا اس کوٹھی میں اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں ہے۔ کیا اس کی یہاں آمد سے دوسرے بے خبر ہیں؟

یوں لحاف میں چھپ کر سوچنے سے بات نہ بنتی۔ اس کا کھوج لگانا ضروری تھا۔ اس نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ کوئی ملازمہ اندر نہیں آسکتی تھی۔ وہ فوراً ہی لحاف سے نکل کر فرش پر سے لباس اٹھاتی ہوئی' دوڑتی ہوئی جا کر باتھ روم میں گھس گئی۔ دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

اس کے حسن کی خیرات مانگنے والے بہت تھے۔ اس لئے اسے خود پر بڑا ناز تھا۔ اس نے سوچا تھا' کسی کو تو خیرات دینی ہے' لہٰذا جو زیادہ ناز نخرے اٹھائے گا' اسی پر مہربان ہوگی۔ لیکن ناز نخرے دکھانے کی حسرت ہی رہ گئی۔

وہ غسل سے فارغ ہو کر ایک بڑا سا تولیہ لپیٹ کر باتھ روم سے نکلی۔ وارڈ روب کے پاس آکر اسے کھولا۔ پھر ایک لباس نکال کر اسے پہنتے ہوئے سوچنے لگی۔ "دروازہ اندر سے بند ہے۔ وہ بالکونی کے راستے آیا ہوگا۔ تیسرا

کوئی راستہ نہیں ہے۔"

وہ لباس پہن کر بالکونی میں آئی۔ وہاں ایک ایک جگہ کو غور سے دیکھنے لگی۔ کسی کے آنے اور جانے کا کوئی نشان نظر نہیں آرہا تھا۔ صبح تک بارش ہوتی رہی تھی۔ جانے والے کے نقش پانی سے دھل گئے ہوں گے۔

اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے کمرے میں آکر انٹرکام کے ذریعہ کہا۔ "ناشتہ کمرے میں لے آؤ۔ جیراں کو فوراً بھیجو۔"

اس نے ریسیور رکھ کر دروازے کا لاک کھول دیا۔ ایک صوفہ پر آکر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "آجاؤ۔"

جیراں دروازہ کھول کر اندر آئی۔ کہنے لگی۔ "بی بی جی! آپ کبھی اتنی دیر تک نہیں سوتی ہیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

نازاں نے اسے گھور کر دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کل رات مجھے کیا ہوا تھا؟"

"آپ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ میں نے پوچھا تو آپ نے کہا' پتہ نہیں آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ آپ کا دل کہیں لگتا نہیں ہے۔"

"کیا میں نشے میں تھی؟"

"نشہ؟ آپ نے پہلے کبھی نشہ نہیں کیا۔ مگر آپ کا سر چکرا رہا تھا۔ آپ نے روٹی نہیں کھائی۔ تھوڑی سی کھیر کھا کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔"

زینت ایک ٹرالی میں ناشتہ لے کر آئی۔ نازاں نے اس سے پوچھا۔ "میں نے کل رات جو کھیر کھائی تھی' کیا وہ فریج میں ہے؟"

"جی بی بی جی! لے آؤں؟ آپ کھائیں گی؟"

"ہاں تو نے بڑی محنت سے بنائی تھی' بڑی لذیذ ہے۔ لے آ۔"

زینت چلی گئی۔ اس نے جیراں سے کہا۔ "مجھے شبہ ہے' اس نے کھیر میں کچھ ملایا ہوگا۔ رات مجھے نشہ ہوگیا تھا۔"

"بی بی جی! زینت ایسی نہیں ہے۔ بڑی فرمانبردار ہے۔ پھر وہ آپ کو نشہ کیوں کھلائے گی؟ ایسا کرکے اسے کیا ملے گا؟"

زینت سویٹ ڈش لے کر آگئی۔ نازاں نے دیکھا۔ وہی پچھلی رات والی ڈش تھی۔ تقریباً آدھی کھائی ہوئی تھی۔ آدھی بچی ہوئی تھی۔ اس نے فرش کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "وہاں بیٹھ جا اور میرے سامنے یہ ساری کھیر کھالے۔"

"بی بی جی! میں کھاؤں؟"

"ہاں۔ کیا نہیں کھائے گی؟ یہ زہر ہے؟ یا اس میں تو نے نشہ ملایا ہے؟"

"ایسا کرنے سے پہلے میں مرجاؤں گی بی بی جی! پتہ نہیں آپ کیوں شبہ کررہی ہیں۔ میں آپ کے اطمینان کے لئے کھاتی ہوں۔"

وہ قالین پر بیٹھ کر کھانے لگی۔ آدھی بچی ہوئی کھیر وہی پچھلی رات والی نہیں تھی۔ جیراں نے اسے پھینک دیا تھا۔ اس کی جگہ دوسری کھیر اتنی ہی مقدار میں رکھ دی تھی۔ اسے کھانے کے بعد زینت کا کچھ نہیں بگڑا۔ نازاں ناشتہ کرتی رہی اور اسے دیکھتی رہی۔ وہ کھانے کے بعد آرام سے بیٹھی ہوئی

تھی۔ نازاں نے اسے آدھے گھنٹے تک بٹھائے رکھا۔ پھر اسے نارمل دیکھ کر کہا۔ "جا اور یہ ٹرالی لے جا۔"

وہ ٹرالی کے ساتھ کمرے سے چلی گئی۔ نازاں نے پریشان ہو کر کہا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے' نشہ ہوگیا تھا۔ مگر اس کمبخت کو کچھ نہیں ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کیا ہوگیا تھا؟"

"آپ کو نشہ نہیں ہوا تھا۔ آپ کا سر چکرا رہا تھا۔ آپ پریشان تھیں مگر قہقہے لگا رہی تھیں۔ ٹی وی کی طرف دیکھ کر کہہ رہی تھیں' وہ دیکھو یارسیال نظر آرہا ہے۔"

"ہاں مجھے یاد آرہا ہے۔ مجھے ٹی وی اسکرین پر وہ نظر آرہا تھا۔ ایسا تو نشے کی حالت میں ہوتا ہے۔"

"لیکن آپ نشے میں نہیں تھیں۔ آپ میری بات تسلیم نہیں کریں گی۔ دراصل صاحب آپ کے ذہن پر چھائے ہوئے ہیں۔ آپ جاگتی آنکھوں سے ان کے خواب دیکھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ وہ نظر آرہے ہیں۔ کیا آپ بند کمرے میں بھی انہیں دیکھتی ہیں؟"

"ہاں کل رات وہ میرے کمرے میں آیا تھا؟"

"دیکھئے۔ آپ پھر بیداری کی حالت میں ایسی باتیں کہہ رہی ہیں۔ صاحب مرچکے ہیں' وہ آپ کے کمرے میں کیسے آئیں گے؟"

نازاں نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "یہاں آ۔ میرے سامنے بیٹھ۔"

وہ قریب آکر فرش پر اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ نازاں نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں ایک راز کی بات بتا رہی ہوں۔ اگر یہ بات کسی کو بتائے گی تو سمجھ لے تجھے کیسی کیسی سزائیں مل سکتی ہیں۔"

جیراں نے اپنے کانوں کو پکڑ کر کہا۔ "جانتی ہوں' آپ میری جان بھی لے سکتی ہیں۔ میں قسم کھاتی ہوں آپ کا راز کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

وہ جیراں کی طرف جھک کر بولی۔ "وہ سچ مچ آیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ......"

وہ آگے کہنے سے جھجکنے لگی۔ جیراں نے پوچھا۔ "آپ کے ساتھ کیا؟"

"رات گزاری ہے؟"

"بی بی جی! میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی یقین نہیں کرے گا۔ بھلا صاحب کیسے آسکتے ہیں؟"

"یقین نہیں آتا۔ چل اٹھ۔ باتھ روم میں جا وہاں میرا لباس پڑا ہے۔ اسے دیکھ کر آ......"

وہ قدموں سے اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔ نازاں کے لئے یہ ایک نئی الجھن تھی کہ سویٹ ڈش میں کچھ نہیں ملایا گیا تھا۔ زینت ساری کھیر کھاگئی تھی اور اسے نشہ نہیں ہوا تھا' پھر اسے نشہ کیسے ہوگیا تھا؟

وہ ایسی نادان نہیں تھی کہ نشے کی کیفیات اور اثرات کو نہ سمجھتی۔ وہ پورے یقین کے ساتھ سمجھ رہی تھی کہ پچھلی رات نشہ اس پر غالب رہا

تھا۔ اور اس کھیر کو کھانے کے بعد ہی وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو رہی تھی۔

پہلی بار لاہور میں جب یارسیال اس کے بیڈ روم میں داخل ہوا تھا' تب وہ کمرہ اندر سے لاکڈ تھا۔ یہ معمہ حل نہ ہوسکا کہ وہ مقفل دروازے کو کس طرح کھول کر اندر پہنچا تھا۔ اس بار یہ معمہ تھا کہ سویٹ ڈش میں نشہ تھا' صرف نازاں کے لئے' زینت کے لئے نہیں تھا۔

یہی سوچا جاسکتا تھا کہ پہلے کسی ملازم نے دروازے کی ڈوپلیکیٹ چابی دی ہوگی اور اب زینت اور باورچی پر ہی کھیر میں نشہ ملانے کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔

جیراں باتھ روم سے سر جھکائے اس کے پاس آئی۔ پھر قدموں میں بیٹھ کر بولی۔ "آپ درست کہتی ہیں لیکن بی بی جی! وہ صاحب نہیں ہوسکتے۔ کسی نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی صورت دیکھی ہے۔"

"مگر آپ یہ بھی کہتی ہیں کہ آپ نشے میں تھیں۔"

"نشے کے باوجود پہچان رہی تھی۔ میں اس کی صورت بھول نہیں سکتی۔ وہ وہی تھا۔"

"پھر تو وہ وہ تصویر والا ہوگا' جو صاحب کا ہم شکل ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ صاحب اپنی موت کے بعد یہاں آئیں۔ نہیں آسکتے۔"

وہ صوفہ پر سے اٹھ کر بولی۔ "ہاں یہ ناممکن ہے۔ میں اس تصویر کو

بھول گئی تھی۔"

وہ بستر کے سرہانے آکر اس کی تصویر کو تلاش کرنے لگی۔ جیراں نے پوچھا۔ "کیا ڈھونڈ رہی ہیں؟"

"وہ تصویر یہاں رکھی تھی۔ ذرا بیڈ کے نیچے دیکھ۔"

وہ بیڈ کے پاس آکر نیچے جھک کر بولی۔ "آپ نے کہا تھا' وہ تصویر جلا ڈالیں گی؟"

"بکواس مت کر۔ کیا تصویر جلا ڈالتی تو وہ کل رات یہاں نہ آتا؟"

"بی بی جی! یہاں تصویر نہیں ہے۔ شاید وہ اپنی تصویر لے گیا ہے۔"

وہ بیڈ کے نیچے سے نکل آئی۔ نازاں کے اندر سے ایک سوچ ابھری۔ "وہ آکر چلا گیا' تصویر بھی لے گیا۔ میرے پاس کیا رہ گیا ہے؟"

"بی بی جی! ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں پوچھ۔"

"آپ کو کیسا لگ رہا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ ویسی تو نہیں رہیں' جیسی کل رات سے پہلے تھیں۔ میرا مطلب ہے' اب آپ کو ایسا لگتا ہے کہ آپ' آپ نہیں رہیں۔ آپ کا مالک کوئی اور ہوگیا ہے۔"

نازاں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جیراں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ بیدار ہونے کے بعد سے یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا بدن پرایا پرایا سا ہوگیا ہے۔

اگر آنے والا یارسیال نہیں تھا تو پتہ نہیں اس کا ہمشکل چور کون تھا؟

جو چرانے کے بعد چوری کا مال چھوڑ گیا ہے۔ کیا وہ پھر چرانے آئے گا؟

اس کے آنے کی بات پر اندر گرم ہوا سی چلی۔ کچھ پریشان بھی ہوئی جیراں سے بولی۔ "کیا وہ آج بھی آئے گا؟"

"چور کو خزانہ ملتا ہے تو وہ بار بار آتا ہے۔"

"کیا اسے گرفتاری کا اندیشہ نہیں ہوگا؟"

"جو چور دل والے ہوتے ہیں' وہ دنیا والوں سے نہیں ڈرتے۔"

"میں کوئی ایسا انتظام کروں گی کہ وہ دوسری بار یہاں آتے ہی پکڑا جائے۔"

"وہ گرفتار ہونے کے بعد تھانے سے لے کر عدالت تک پچھلی رات کا قصہ سنائے گا۔ اخباروں میں اس کے ساتھ آپ کی بھی تصویر چھپے گی۔"

"ہاں میں بھول گئی تھی کہ ایک چھوٹے آدمی کے ساتھ بدنام ہو جاؤں گی۔"

"اسے چھوٹا کیوں کہہ رہی ہیں' جو راتوں رات آپ کے برابر ہوگیا ہے۔"

"بکواس مت کر۔ رات کو چھپ کر آنے والا اور بدمعاشی کرنے والا میرے برابر نہیں ہوسکتا۔ اب آئے گا تو میں اسے گولی ماردوں گی۔ آج سے بھرا ہوا پستول رکھوں گی۔"

ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جیراں تیزی سے چلتی ہوئی بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر

پوچھا۔ "کون ہیں جی آپ؟"

"ریسیور بی بی جی کو دو۔ میں خرم بول رہا ہوں۔"

خرم کا نام سن کر جیراں نے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ ناگواری سے بولی۔ "اچھا تو آپ ہیں وڈے شاہ۔ کیا میرے کو پہچان رہے ہیں؟"

"ہوں۔ تو جیراں ہے؟ میں نے تیرے ہی لئے فون کیا ہے۔ اسلام آباد آیا ہوں۔ میری کوٹھی میں آجا۔"

"بی بی جی سے پوچھ کر آؤں گی۔"

اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ دل ہی دل میں خرم کو گالیاں دینے لگی۔ زینت نے دروازے پر سے پوچھا۔ "کس کا فون تھا۔"

"وہی کتا بھونک رہا تھا۔ آج رات کاٹنے کو بلایا ہے۔"

وہ قریب آکر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "غصہ کرنے اور گالیاں دینے سے اونچی ذات کے کتے نہیں مرتے۔ تو یہ ملازمت کیوں نہیں چھوڑ دیتی؟"

"میں اسی انتظار میں ملازمت کررہی تھی کہ وہ کبھی نہ کبھی مجھے بلائے گا اور آج اس نے بلایا ہے۔ آج رات میری ملازمت کی آخری رات ہوگی۔"

"تیری ان باتوں کا مطلب کیا ہے؟"

"کچھ نہیں' بس یونہی کہہ رہی ہوں۔ کل سے ملازمت چھوٹ جائے گی۔"

"دیکھ جیراں! ایسی ویسی حرکت نہ کرنا۔ بڑے لوگوں کا کچھ نہیں بگڑے گا تیری شامت آجائے گی۔"

"شامت تو اس رات آئی تھی' جب اس نے جانور کی طرح مجھے نوچا کھسوٹا تھا اب تو ہارنے کے لئے اور ڈرنے کے لئے کچھ نہیں رہا ہے۔"

جیراں وہاں سے چلتی ہوئی نازاں کے بیڈ روم میں آئی۔ وہ بیڈ کے سرے پر جھکی ہوئی بیٹھی تھی۔ سوچ میں گم تھی اور ایک ہتھیلی سے بستر کی چادر کو سہلا رہی تھی۔

اس وقت وہ اپنا غرور ہار چکی تھی۔ غرور توڑنے والے کی بکھری ہوئی شخصیت کو خیالوں میں جوڑ رہی تھی' وہ بکھری ہوئی شخصیت اس لئے تھی کہ مردہ بھی تھی اور زندہ بھی۔

□*□

ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ خرم نے باتھ روم سے کمرے میں آکر ریسیور اٹھایا دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں جانتا ہوں' تو اس وقت اپنے بیڈ روم میں جوان ملازمہ کے ساتھ ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟"

"تو کون ہے؟"

"ادب سے بول میں تیرا بہنوئی ہوں۔ نازاں کے ساتھ رات گزارتا ہوں۔"

"خبردار! میری بہن پر ایسی تہمت نہ لگانا۔ ہم اونچے خاندان کے عزت دار لوگ ہیں۔ تو لنچ کے وقت بھی فون پر بھونک رہا تھا۔ کیا کتے کی موت مرنا چاہتا ہے؟"

"جن کے مقدر میں زندگی ہوتی ہے' وہ موت کے حملوں کے باوجود

زندہ رہتے ہیں۔ تو اپنے عزت دار خاندان کی خیر منانا رہ۔ تو دوسروں کی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ جو کرتا ہے' وہی سلوک تیری بہن کے ساتھ ہو رہا ہے۔"

"یو شٹ اپ نان سینس......"

وہ ریسیور رکھتے ہوئے جیراں کو غصہ سے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے لئے ایک پیگ بنارہی تھی' مسکرا کر بولی۔ "وڈے شاہ! کسے غصہ دکھا رہے ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "تو دن رات نازاں کے ساتھ رہتی ہے؟"

"ہاں جی۔ رہتی ہوں۔ لو پیو۔ شراب گرم ہوتی ہے لیکن غصے کو ٹھنڈا کرتی ہے۔"

وہ جس موڈ میں بھی ہو' پینے کا وقت ہو تو ضرور پیتا تھا۔ اس نے ایک سانس میں آدھا گلاس خالی کیا۔ پھر پوچھا۔ "وہاں کوٹھی میں کون آتا ہے؟"

"ضرورت مند آتے ہیں۔ مگر کوٹھی کے اندر کوئی نہیں آتا۔"

"جھوٹ بولتی ہے۔ وہ دن کو نہیں رات کو آتا ہوگا۔"

"میں رات کو دروازے اندر سے بند کردیتی ہوں۔ بی بی جی اپنے بیڈ روم کا دروازہ بند کرلیتی ہیں۔ میں ڈرائنگ روم کے قالین پر سوتی ہوں۔ میں نے رات کو بھی کسی مرد کو وہاں نہیں دیکھا۔"

"اس کی بالکونی کھلی رہتی ہے۔ کوئی پائپ کے ذریعہ اوپر آسکتا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ تو بی بی جی بتاسکتی ہیں۔"

اس نے گلاس کو منہ سے لگایا۔ غٹاغٹ پی کر خالی کیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ بولی۔ "پیتے وقت موڈ اچھا رکھنا چاہئے۔"

"بکواس مت کر۔ ہماری عزت پر حملہ ہو رہا ہے اور تو کہتی ہے' موڈ اچھا رکھوں۔"

پھر وہ فون پر بولا۔ "ہیلو نازاں! تمہارے ساتھ کون ہے؟"

"زینت ہے اور کوئی نہیں ہے۔"

"جھوٹ نہ بولو۔ تم اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ہو۔"

"شٹ۔ تم شاید پی رہے ہو۔ اس لئے بکواس کر رہے ہو۔"

"لاہور میں جس رات یارسیال تمہارے کمرے میں گیا تھا' اس وقت بھی کہا جارہا تھا کہ میں نشے میں ہوں۔ اب بھی تم یہی کہہ رہی ہو۔ کیا تم انکار کرتی ہو کہ رات کو تم سے کوئی ملنے نہیں آتا ہے۔"

نازاں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ پھر کہا۔ "اگر تم غیرت مند بھائی ہو تو اس موضوع پر بات نہ کرو۔ ورنہ فون بند کردوں گی۔"

"بند کردو۔ میں ایک گھنٹہ بعد آؤں گا۔ تمہاری کوٹھی میں رہوں گا۔ اور اگر وہ آئے گا تو میں اسے گولی ماردوں گا۔"

"میرے پاپا میرے کردار پر شبہ نہیں کرتے ہیں۔ تم یہاں آنے اور میری نگرانی کرنے والے کون ہوتے ہو؟ میں ابھی سیکوریٹی گارڈز سے کہتی ہوں۔ وہ تمہیں دیکھتے ہی گیٹ کے باہر ہی سے بھگا دیں گے۔"

نازاں نے فون بند کردیا۔ خرم نے ریسیور پٹخ کر کہا۔ "جہنم میں جاؤ۔

میں باپ سے کہوں گا۔ کیا نام ہے اس باپ کا؟ لو پہلے پیگ میں ہی نام بھول گیا۔ کیا باپ ایسے ہوتے ہیں؟ بچے نام بھول جاتے ہیں۔ شٹ۔"

جیراں نے بھرا ہوا گلاس بڑھایا۔ "وہ لے کر پینے لگا۔ کہنے لگا۔ "دنیا میں سب کو پیدا ہونا چاہئے۔ بہن کو پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ ویسے میرا تو کچھ نہیں بگڑتا ہے۔ مگر دنیا والوں کے سامنے غیرت مند بھائی بننا پڑتا ہے۔"

"میں بھی کسی کی بہن تھی۔ میرا بھائی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ غیرت سے مرگیا۔"

"اپنی بات مت کر۔ کیا تو ہماری طرح عزت دار ہے؟"

وہ گلاس کو منہ سے لگا کر پینے لگا۔ عام طور سے پینے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر مستیاں کرتے ہوئے ایک ایک گھونٹ شراب پی جاتی ہے۔ لیکن بعض پینے والے بوتل یا گلاس منہ سے لگا کر غٹاغٹ پیتے چلے جاتے ہیں۔ وہ جتنی تیزی سے پیتے ہیں اتنی تیزی سے نشہ بھی چڑھتا ہے۔

وہ جیراں کے ساتھ بہکنے لگا۔ تیسرا گلاس خالی کرکے صوفہ سے اٹھ گیا۔ ڈگمگاتے ہوئے باتھ روم میں چلا گیا۔ جیراں نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر رابطہ ہوتے ہی بولی۔ "ہیلو میں بول رہی ہوں۔ آپ فوراً آجائیں۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی۔ پھر ریسیور رکھ دیا۔ وہ دوپہر کو خرم کی کوٹھی میں آنے سے پہلے اس علاقہ کے تھانے میں گئی۔ انسپکٹر محمود اختر سے بولی۔ "میں نے آپ کی دیانتداری اور فرض شناسی کے بارے میں سنا

ہے۔ آپ پر بھروسہ کرکے ایک عیاش رئیس زادے کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتی ہوں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "اس رئیس زادے کے بارے میں بتاؤ؟"

"اس کا نام خرم ہے۔ وہ ایک بہت بڑے جاگیردار سید سلیمان شاہ کا بیٹا ہے۔ وہ کتنی ہی غریب معصوم لڑکیوں کی عزت سے کھیلتا رہتا ہے۔ لیکن کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔ وہ بڑے بااختیار لوگ ہیں۔ آئی جی پولیس کی بھتیجی سے بھی زیادتی کی۔ پھر بھی وہ رئیس زادہ گرفتار نہ ہوسکا۔ اسے حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار کرنے سے پہلے ہی آئی جی پولیس کو ایک کیس میں پھنسا کر معطل کردیا گیا۔ اسے اس طرح قتل کیا گیا کہ وہ خودکشی کا کیس بن گیا۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "پھر تو... واقعی وہ لوگ طاقتور اور بڑے بااختیار ہیں۔ یہ کیس میرے فرض کی ادائیگی کے لئے ایک چیلنج ہے۔ تم اسے کس طرح رنگے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتی ہو؟"

اس نے انسپکٹر کو کوٹھی کا نمبر اور پتہ بتایا۔ پھر کہا۔ "آج رات آٹھ بجے کے بعد کسی وقت بھی فون پر اشارہ دوں گی۔ آپ سپاہیوں کے ساتھ آجائیں۔ آپ کے ساتھ فوٹوگرافر بھی ہوں تو اچھا ہے۔ آپ کو کوٹھی کے تمام دروازے کھلے ملیں گے۔"

جیراں نے وعدہ کے مطابق پونے نو بجے انسپکٹر محمود اختر کو فون پر آنے کے لئے کہا۔ وہ سپاہیوں اور فوٹوگرافر کے ساتھ آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ

میں باپ سے کہوں گا۔ کیا نام ہے اس باپ کا؟ لو پہلے پیگ میں ہی نام بھول گیا۔ کیا باپ ایسے ہوتے ہیں؟ بچے نام بھول جاتے ہیں۔ شٹ۔"

جیراں نے بھرا ہوا گلاس بڑھایا۔ "وہ لے کر پینے لگا۔ کہنے لگا۔ "دنیا میں سب کو پیدا ہونا چاہئے۔ بہن کو پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ ویسے میرا تو کچھ نہیں بگڑتا ہے۔ مگر دنیا والوں کے سامنے غیرت مند بھائی بننا پڑتا ہے۔"

"میں بھی کسی کی بہن تھی۔ میرا بھائی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ غیرت سے مرگیا۔"

"اپنی بات مت کر۔ کیا تو ہماری طرح عزت دار ہے؟"

وہ گلاس کو منہ سے لگا کر پینے لگا۔ عام طور سے پینے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر مستیاں کرتے ہوئے ایک ایک گھونٹ شراب پی جاتی ہے۔ لیکن بعض پینے والے بوتل یا گلاس منہ سے لگا کر غٹاغٹ پیتے چلے جاتے ہیں۔ وہ جتنی تیزی سے پیتے ہیں اتنی تیزی سے نشہ بھی چڑھتا ہے۔

وہ جیراں کے ساتھ بہکنے لگا۔ تیسرا گلاس خالی کرکے صوفہ سے اٹھ گیا۔ ڈگمگاتے ہوئے باتھ روم میں چلا گیا۔ جیراں نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر رابطہ ہوتے ہی بولی۔ "ہیلو میں بول رہی ہوں۔ آپ فوراً آجائیں۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی۔ پھر ریسیور رکھ دیا۔ وہ دوپہر کو خرم کی کوٹھی میں آنے سے پہلے اس علاقہ کے تھانے میں گئی۔ انسپکٹر محمود اختر سے بولی۔ "میں نے آپ کی دیانتداری اور فرض شناسی کے بارے میں سنا

172

ہے۔ آپ پر بھروسہ کرکے ایک عیاش رئیس زادے کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتی ہوں۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "اس رئیس زادے کے بارے میں بتاؤ؟"

"اس کا نام خرم ہے۔ وہ ایک بہت بڑے جاگیردار سید سلیمان شاہ کا بیٹا ہے۔ وہ کتنی ہی غریب معصوم لڑکیوں کی عزت سے کھیلتا رہتا ہے۔ لیکن کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔ وہ بڑے بااختیار لوگ ہیں۔ آئی جی پولیس کی بھتیجی سے بھی زیادتی کی۔ پھر بھی وہ رئیس زادہ گرفتار نہ ہوسکا۔ اسے حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار کرنے سے پہلے ہی آئی جی پولیس کو ایک کیس میں پھنسا کر معطل کردیا گیا۔ اسے اس طرح قتل کیا گیا کہ وہ خودکشی کا کیس بن گیا۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "پھر تو... واقعی وہ لوگ طاقتور اور بڑے بااختیار ہیں۔ یہ کیس میرے فرض کی ادائیگی کے لئے ایک چیلنج ہے۔ تم اسے کس طرح رنگے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتی ہو؟"

اس نے انسپکٹر کو کوٹھی کا نمبر اور پتہ بتایا۔ پھر کہا۔ "آج رات آٹھ بجے کے بعد کسی وقت بھی فون پر اشارہ دوں گی۔ آپ سپاہیوں کے ساتھ آجائیں۔ آپ کے ساتھ فوٹوگرافر بھی ہوں تو اچھا ہے۔ آپ کو کوٹھی کے تمام دروازے کھلے ملیں گے۔"

جیراں نے وعدہ کے مطابق پونے نو بجے انسپکٹر محمود اختر کو فون پر آنے کے لئے کہا۔ وہ سپاہیوں اور فوٹوگرافر کے ساتھ آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ

173

گیا۔ کوٹھی کے باہر اور اندر کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ دندناتے ہوئے بیڈروم میں آگئے۔ وہ دونوں برائے نام لباس میں تھے۔ فلیش لائٹس بجلی کی طرح چمکنے اور بجھنے لگیں۔ تصویریں اترنے لگیں۔
انسپکٹر نے حیرانی سے کہا۔ "جیراں! تم نے پہلے نہیں بتایا کہ خود بھی گناہگار کی حیثیت سے گرفتاری پیش کروگی۔"
وہ بولی۔ "میری عزت تو رہی نہیں۔ نہ عزت کا ڈر ہے' نہ گرفتاری کا۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے عیاش دولت مند کبھی حدود آرڈیننس کی زد میں نہیں آئے۔ آنے سے پہلے ہی اپنا بچاؤ کرلیتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ اس عیاش رئیس زادے کو بچنے کا موقع نہ دیں۔ آپ کو بہت سی بہنیں اور بیٹیاں دعائیں دیں گی۔"
انسپکٹر نے غرا کر خرم کو دیکھا۔ پھر اسے ہاتھوں سے اور بید سے مارنے لگا۔ وہ گڑگڑا کر کہہ رہا تھا۔ "مجھے فون کرنے دو۔ میں پاپا سے بات کروں گا۔ مجھے نہ مارو۔ آرام سے حوالات لے جانے کے لئے جتنی رقم چاہو' ابھی لے لو' تم میرے پپا کو نہیں جانتے۔ میں چند گھنٹوں میں حوالات سے چھوٹ کر آجاؤں گا۔"
انسپکٹر اسے مارتے ہوئے تھانے لے گیا۔ جیراں کو بھی گرفتار کرنا پڑا۔ وہ قانون سے مجبور تھا۔ وہ بولی۔ "انسپکٹر صاحب! آپ میری فکر نہ کریں۔ یہ رئیس زادہ بڑا عزت دار بنتا ہے۔ اب میرے ساتھ بے عزت ہو رہا ہے۔"

خرم کی اچھی طرح پٹائی کرکے اسے حوالات میں ڈال دیا گیا۔ جیراں اس کی طرح اونچے خاندان کی نیک نام عورت نہیں تھی لیکن اسے اپنے ساتھ بدنام کرنے کی ابتدا کرچکی تھی۔

□○□

نازاں اس رات کھانے کے دوران محتاط تھی۔ خاص طور پر سوئٹ ڈش کو ہاتھ لگاتے وقت اس نے زینت کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "ایک پلیٹ اور چمچ لے اور اس میں سے کھیر نکال کر کھانا شروع کردے۔"
زینت نے حکم کی تعمیل کی۔ اس ڈش کے آدھے حصے میں جو کھیر تھی' اس میں بھنگ ملی ہوئی تھی باقی آدھے حصے میں صرف کھیر تھی۔ اس نے دو طرح کی کھیر کو اس حساب سے ملا کر رکھا تھا کہ نازاں شبہ نہیں کرسکتی تھی۔
اس نے آدھے حصے کی کھیر اپنی پلیٹ میں لی۔ پھر اسے کھانے لگی۔ "نازاں اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے صبح زینت سے جو سلوک کیا تھا' اس سے یہ سمجھ میں آگیا تھا کہ وہ رات کو بھی میٹھا پہلے اسے کھلائے گی۔ پھر خود کھائے گی۔

زینت نے آدھے حصے کی کھیر کھا کر کہا۔ "بی بی جی! پتہ نہیں آپ مجھ پر کیوں شبہ کررہی ہیں۔ آپ جتنی بار آزمائیں گی' یہی ثابت ہوگا کہ سوئٹ ڈش میں کسی طرح کی ملاوٹ نہیں ہے۔
نازاں نے ڈش کے دوسرے حصے سے کھیر نکالی۔ "پہلے تھوڑا سا چکھ کر دیکھا۔ بہت لذیذ لگی۔ وہ کھانے لگی۔ زینت نے کہا۔ "بی بی جی! ایک بات پوچھوں؟"
"کون سی بات؟"
"آپ کو صاحب یاد آتے ہیں؟"
"وہ تو اب دن رات یاد آرہا ہے۔ اس وقت بھی اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ کیا وہ آئے گا؟"
آسکتا تھا اور نہ بھی آتا۔ مطلب پرست ہوگا تو مطلب نکل چکا تھا۔ اب نہیں آئے گا اور اگر عاشق ہوگا تو ضرور آئے گا۔
کھانے کے بعد وہ کرسی سے اٹھ گئی۔ سرور میں آگئی تھی۔ اپنا گھر اور گھر کا ماحول پہلے سے زیادہ خوبصورت اور خواب سا لگ رہا تھا۔ وہ جھومتی ہوئی ڈگمگاتی ہوئی اپنی خواب گاہ میں آگئی۔
اس نے بیڈ کے پاس آکر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ بند دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ وہ خوش ہوگئی۔ کہنے لگی۔ "میں جانتی تھی' تم آؤ گے۔ تم آگئے ہو نا؟ ہاں ہاں نظر آرہے ہو۔ اس لئے آگئے ہو۔"

وہ اس کی طرف بڑھی۔ "ذرا ڈگمگائی۔ یارسیال نے اسے تھام لیا۔ وہ ہنس کر بولی۔ "پکڑلیا۔ یہ دیکھو پکڑلیا ہے۔ تم آگئے ہو۔ میرے سامنے ہو۔ بولو نا' بولتے کیوں نہیں ہو؟"
"کیا بولوں؟ کل تمہیں پاکر زندگی کی نئی اور انوکھی مسرتیں ملیں۔ مگر ہم اس طرح ملتے رہے' تو ہماری خوشیاں ادھوری رہا کریں گی۔"
وہ بولی۔ "ادھوری کیوں؟"
"اس لئے کہ میں تمہیں پیار کرتا ہوں۔ میرا پیار تمہارے دل میں اترنے سے پہلے نشہ میں گم ہوجاتا ہے۔ پتہ نہیں صبح تم نے کیا سوچا؟ کیا محسوس کیا؟ میرا خیال ہے' تم نے میری محبت کو نہیں' صرف ڈکیتی کو سمجھا ہوگا۔"
وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بولی۔ "پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو؟ تمہاری باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ مگر نہیں آتیں۔ پلیز آسان سی باتیں کرو۔"
وہ اسے لے کر صوفہ کے پاس آیا۔ پھر اس کے ساتھ بیٹھ کر بولا۔ "میں آسان سی باتیں کررہا ہوں۔ کیا محبت کو سمجھتی ہو؟"
"سمجھتی ہوں۔ تم اچھے لگتے ہو۔ جی چاہتا ہے' تمہارے سینے سے لگ کر رہوں' مگر تم دور ہوجاتے ہو۔ پھر میں تمہیں یاد کرتی رہتی ہوں۔ میں بچی نہیں ہوں۔ محبت کو سمجھتی ہوں۔"
"کیا تم سمجھ رہی ہو کہ نشے میں ہو؟"
"ہاں میں نشے میں ہوں۔ بڑا مزہ آرہا ہے۔ یہ سب کچھ خواب جیسا

لگ رہا ہے۔ مجھے ڈر بھی لگ رہا ہے۔ آنکھ کھلے گی تو تم غائب ہوجاؤ گے۔"
"میں اس لئے چلا جاتا ہوں کہ تم نفرت کرتی ہو۔ میں تمہاری طرح امیر کبیر نہیں ہوں۔"
وہ گردن میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "اب نہیں جاؤ گے۔ وعدہ کرو' نہیں جاؤ گے۔"
وہ اپنے بازوؤں میں اسے سمیٹنے لگا۔ کہنے لگا۔ "تم ہوش میں رہ کر ایسے والہانہ انداز میں نہیں چاہوگی۔ حسن مغرور ہو تو اسے مدہوش رہ کر پیار کرنا چاہئے۔"
وہ کہنے لگا۔ "تمہارے مقدر میں ایسا ہی پیار ہے۔ جب تک غافل رہوگی' میں تمہارا حاصل رہوں گا۔ میں حقیقت میں آتا رہوں گا۔ تم خوابوں میں مجھے پاتی رہوگی"۔
مجھے اطمینان ہے کہ میں گناہگار نہیں ہوں۔ تم میری منکوحہ ہو۔ مگر تمہیں خبر نہیں ہوئی کہ تم ایک شریک حیات کی حیثیت سے ازدواجی وظیفہ ادا کرتی رہتی ہو۔
اے بے خبر! تجھے بے خبری میں مسرتوں کے خزانے ملتے ہیں اور تو مالا مال ہوکر بھی کنگال رہتی ہے۔"

□*□

انسپکٹر محمود اختر نے ایف آئی آر درج کرنے کے بعد دوسرے دن صبح دس بجے خرم کو فون کرنے کی اجازت دی۔ اس کی گرفتاری کی خبر سن کر پہلے ماں تڑپ گئی۔ فوراً ہی اسلام آباد کے لئے روانہ ہوگئی۔ سلیمان شاہ اسے طلاق دے چکا تھا۔ اس کے تمام بچے اپنی اپنی کوٹھیوں میں چلے گئے تھے۔ وہ لاثانی بیگم اور خرم کے کسی معاملہ سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ لیکن وہ حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار ہوا تھا۔ ایک تو سزا سے بچنا ممکن نہیں تھا دوسرا یہ کہ اس کی عیاشیاں کھل کر سامنے آتیں تو پورے خاندان کی بدنامی ہوتی۔ سلیمان شاہ پر بھی خرم کے حوالے سے کیچڑ اچھالی جاتی۔ اس لئے وہ بھی مجبور ہوکر اسلام آباد آگیا۔
لاثانی بیگم اور سلیمان شاہ ایک دوسرے کے سامنے نہیں آتے تھے۔

لیکن حالات نے انہیں مجبور کردیا تھا۔ وہ دونوں پولیس کے ایک اعلیٰ افسر کی کوٹھی میں آئے۔ اس اعلیٰ افسر سے ان کی شناسائی تھی۔ وہ اس کے ذریعہ تھانے ہی میں کیس ختم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ایف آئی آر درج ہوچکی تھی اور انسپکٹر محمود اختر بہت ضدی تھا۔ فرض کی ادائیگی کے وقت اعلیٰ افسر کی ڈانٹ ڈپٹ اور دھمکی سے مرعوب نہیں ہورہا تھا۔ اس افسر نے سلیمان شاہ سے کہا۔ "وہ ایک جنونی انسپکٹر ہے۔ وہ دیانت داری اور فرائض کی ادائیگی کے جنون میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے کارناموں کے پیش نظر اسے ملازمت سے برطرف کردیئے جانے کی دھمکی نہیں دی جاسکتی۔ اس کے برعکس اس کی ترقی ہونے والی ہے۔"
سلیمان شاہ نے لاثانی بیگم کو ناگواری سے دیکھ کر کہا۔ "تم نے میری شریک حیات بن کر ہمیشہ مجھے نقصان پہنچایا ہے۔ خرم میرا خون نہیں ہے۔ میرا بیٹا نہیں ہے لیکن تم نے مجھ سے پوچھے بغیر میری لاعلمی میں اس کا برتھ سرٹیفکیٹ بنایا اور اس کے باپ کی جگہ میرا نام لکھوادیا۔"
"سرٹیفکیٹ میں آپ کا نام آنے سے کون سی قیامت آگئی ہے۔"
"قیامت ہی آرہی ہے۔ خرم کوئی جرم کرتا ہے یا کہیں منہ کالا کرتا ہے تو میں باپ کی حیثیت سے بدنام ہوتا ہوں۔ مجھے اپنی نیک نامی کی خاطر اس کے برے اعمال پر پردہ ڈالنا پڑتا ہے۔"
"آپ میری وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ میں بھی دوبارہ آپ کی زوجیت میں آنے کی خاطر حلال بننے کے لئے دوسرے کے پاس گئی تھی۔ واپسی میں

خرم کو لے آئی۔ مجھے حلال بننے کا شوق تو نہیں تھا۔ جو کیا' آپ ہی خاطر کیا۔"
"مجھ پر احسان نہ جتاؤ۔ میں تو پچھتا رہا ہوں۔ کبھی تم سے اور کبھی شہناز بیگم سے شادیاں کرتا رہا۔ دونوں سے جتنی اولادیں ہوئیں' ان کا صحیح حساب نہیں ہے کہ ان میں سے کتنی میری ہیں اور کتنی دوسروں کی؟ جس طرح جعلی ووٹروں کی لسٹ تیار کی جاتی ہے' اسی طرح تم دونوں نے دوسروں کی اولاد کے برتھ سرٹیفکیٹ میں اصل باپ کی جگہ میرا نام لکھوادیا ہے۔"
"آپ نے پہلے ہم پر اعتراض کیوں نہیں کیا؟"
"پہلے تو تم دونوں چھپ کر پیدائش کا سرٹیفکیٹ بنواتی رہیں۔ جب بچے بڑے ہونے لگے تو رفتہ رفتہ مجھے معلوم ہوتا رہا کہ جو بچے میرے نہیں ہیں' انہیں بھی تم دونوں نے میرے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔"
"جو ہوچکا ہے' اس پر جھنجلانے سے کیا حاصل ہوگا؟ میرے بیٹے کو سزا سے بچائیں۔"
"مجھے اپنی عزت کی پڑی ہے۔ اگر اس نامعقول کو سزا سے بچانے میں ناکام رہا تو ایک باپ کا بیان یہ ہوگا کہ میں بدکار بیٹے کے خلاف قانون کی برتری چاہتا ہوں۔ اس بدکار بیٹے کو قرار واقعی سزا ملنی چاہئے۔ میں ایسا بیان دوں گا تو میری عزت اور عظمت بڑھے گی۔ دنیا کہے گی کہ میں نے اپنے سگے بیٹے کو گناہگار تسلیم کرکے قانون کا احترام کیا ہے۔"
"وہ سوتیلا ہے۔ اس لئے آپ اس کے خلاف بول رہے ہیں۔"

"تم نے سرٹیفکیٹ کے ذریعہ اسے سگا بنادیا۔ اب اسے سوتیلا کہوں گی تو کوئی نہیں مانے گا۔ تم نے مجھ سے فراڈ کیا تھا۔ اس کا منہ توڑ جواب یہی ہے کہ میں سگا تسلیم کرکے اس جوتے کھانے اور کوڑے کھانے کے لئے قانون کے حوالے کردوں۔"
"آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے۔ معلوم ہوتا ہے' وہ جو تیسری آنے والی ہے' وہ آنے سے پہلے ہی آپ کو ہمارے خلاف بھڑکا رہی ہے۔"
"میں ابھی نہیں جانتا وہ تیسری آنے والی کون ہوگی اور کیسی ہوگی؟ لیکن تم اور شہناز بیگم اسے دیکھے اور سمجھے بغیر اس کے خلاف زہر اگل رہی ہو۔ اس تیسری کا راستہ روکنے کی سازشیں کررہی ہو۔ مگر تم دونوں سازشیں کرتی ہی رہ جاؤ گی اور وہ تیسری چلی آئے گی۔"
یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا' اعلیٰ افسر کی کوٹھی سے باہر آیا۔ ڈرائیور نے کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر ڈرائیور دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آگیا۔ اس نے حکم دیا۔ "نازاں کی کوٹھی میں چلو۔"
نازاں اپنی کوٹھی میں تھی۔ اس نے دو ایسی طلسماتی راتیں گزاری تھیں کہ اب کوٹھی کے باہر جانا اور تفریح کرنا بھول گئی تھی۔ اس تجسس میں رہتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟
دوسری رات کی صبح بھی اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بکھرا ہوا پایا اور جو اسے بکھیر دیتا تھا' وہ دوسری صبح بھی نظر نہیں آیا۔ اس کا دل کہہ رہا

تھا کہ وہ پچھلی دو راتوں میں یارسیال کو دیکھتی رہی ہے۔ نشے میں رہنے کے باوجود اس کی یادداشت میں وہ محفوظ تھا۔
وہ تصدیق کرنا چاہتی تھی کہ یارسیال ہی آتا ہے۔ لیکن تصدیق وہی کرتا جو صبح ہوتے ہی روپوش ہوجاتا تھا۔ کوئی دوسرا یہ معمہ حل نہیں کرسکتا تھا کہ جب وہ محبت سے آتا ہے تو بے مروتی سے کیوں چلا جاتا ہے؟
اس بار وہ سوچنے لگی کہ رات کے کھانے کے بعد سوئٹ ڈش کو منہ نہیں لگائے گی۔ ہوش میں رہ کر اس کا انتظار کرے گی۔ وہ آئے گا تو پورے ہوش و حواس کے ساتھ اسے دیکھے گی۔ اور سمجھے گی کہ وہ یارسیال ہے یا اس کا مثیل ہے؟
زینت نے بیڈروم میں آکر کہا۔ "بی بی جی آپ کے پاپا آئے ہیں۔ ڈرائنگ روم میں ہیں۔"
وہ فوراً ہی بیڈ سے اتر کر بولی۔ "ان سے کہو میں غسل کررہی ہوں۔ ابھی آتی ہوں۔"
وہ غسل خانے میں چلی گئی۔ سلیمان شاہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی توقع کے خلاف لاثانی بیگم آگئی۔ وہ اسے دیکھ کر ناگواری سے بولا۔ "تم میرا پیچھا کیوں کررہی ہو؟"
"میں آپ کے پیچھے نہیں آئی ہوں۔ یہ میری بیٹی کا گھر ہے۔ میں اس سے ملنے آئی ہوں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ مجھ سے پہلے یہاں آجائیں گے۔"

سلیمان شاہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ بولی۔ "اور آپ کے پیچھے آئی ہوں تو میرے لئے کوئی شرم کی بات نہیں ہے آخر آپ میرے سابق سرتاج ہیں اور میرے بچوں کے سرپرست ہیں۔ آپ نے مجھ سے نجات حاصل کرنے کے لئے طلاق دی لیکن وہ عورت ہی کیا جو اپنے مرد کا پیچھا چھوڑ دے۔ میں بیوی بن کر نہ سہی' بچوں کی ماں کی حیثیت سے پیچھا کرتی رہوں گی۔ ہم سب کی نیک نامی اسی میں ہے کہ ہمارا بیٹا شرمناک الزامات سے بری ہوجائے۔"
وہ غصہ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ پھر بیٹی کو دیکھ کر بولا۔ "ناز! اپنی ماں سے کہو' یہاں سے چلی جائے۔ میں یہاں پہلے آیا ہوں۔"
"پپا آپ دونوں ہی محبت سے ملنے آئے ہیں۔ میں بیٹی ہوں۔ کسی کو نظرانداز نہیں کروں گی۔ ممی! آپ میرے بیڈروم میں چلی جائیں۔ جب تک پپا یہاں رہیں گے آپ کوٹھی کے اس حصے میں نہ آئیں۔"
لاثانی بیگم بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔ سلیمان بیٹی کو توجہ سے دیکھ رہا تھا' پھر بولا۔ "تم کچھ بدل گئی ہو؟"
"آں؟" وہ کچھ پریشان ہوگئی۔ باپ کہہ رہا تھا کہ کچھ بدل گئی ہے۔ جبکہ بہت کچھ بدل گئی تھی۔ اب تک اپنی تبدیلیوں کو سمجھنے کے لئے آئینہ تھا۔ آئینہ کہتا تھا' وہ خرچ ہورہی ہے' ایسے وقت تبدیلی لازمی ہوتی ہے۔ باہر سے آنے والوں میں ابھی باپ نے محسوس کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے اندر جو انقلاب آیا ہے' وہ دنیا والوں سے چھپا نہیں رہے گا۔

باپ نے پوچھا۔ "تم پریشان ہو؟"
"جی۔ وہ۔ کل رات بخار آیا تھا۔ میں نے دوا لی تھی۔ اب ٹھیک ہوں۔"
"تمہیں پتہ ہے خرم نے کیا گل کھلائے ہیں؟"
اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ خرم کے بارے میں نفرت سے بولنے لگا۔
لاثانی بیگم تھوڑی دیر تک دروازے کے پیچھے کھڑی اپنے بیٹے کے خلاف باتیں سنتی رہی۔ اس کے بعد بیڈروم میں آگئی۔ نازاں بڑی نفاست پسند تھی۔ بے ترتیبی اسے پسند نہیں تھی لیکن لاثانی بیگم نے پہلی بار اس کے کمرے میں ابتری دیکھی۔ بستر کی چادر اور تکیے اپنی جگہ نہیں تھے۔ اس نے ملازمہ کو بلاکر پوچھا۔ "آدھا دن گزر چکا ہے' ابھی تک صفائی کیوں نہیں کی؟"
"بی بی جی سو رہی تھیں۔ ابھی کمرے سے گئی ہیں۔ میں صفائی کردیتی ہوں۔"
وہ پہلے قالین کی صفائی کرنے لگی۔ لاثانی بیگم نے بیڈ کے نیچے دیکھا۔ "ایک کپڑا وہاں پڑا ہوا تھا اس نے جھک کر اسے اٹھایا۔ ایک مردانہ بنیان تھی۔ کوئی اتارنے کے بعد پہننا بھول گیا تھا۔ وہ بنیان کو ایک چٹکی سے پکڑ کر باتھ روم میں آئی۔ پھر اسے میلے کپڑوں کی باسکٹ میں ڈال دیا۔
اس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ یہ سمجھ گئی کہ بیٹی بھی کسی گھاٹ

اتر چکی ہے۔ اور یہ تشویش کی بات تھی۔ بیٹے لاکھ بدکار ہوں' کوئی بات نہیں۔ بیٹی سے ہونے والی بدنامیوں کو جتنا چھپاؤ' اتنی ہی پھیلتی جاتی ہیں۔ وہ حیران تھی کہ نازاں کسی کو منہ نہیں لگاتی تھی۔ عاشق مزاج بھی نہیں تھی۔ پھر ایسا کون گلفام ہے' جس کے آگے وہ اپنا غرور ہار رہی ہے۔
ملازمہ نے کمرے کی صفائی کی۔ بستر کی چادر اور تکیے کے غلاف تبدیل کئے۔ پھر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد نازاں نے کمرے میں آکر کہا۔ "پپا جاچکے ہیں۔ میز پر کھانا لگ رہا ہے۔ آیئے' وہیں باتیں ہوں گی۔"
وہ بیٹی کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ "تم یہاں ڈھائی ماہ سے تنہا ہو۔ کیا ایک ہی جگہ پر بور نہیں ہو رہی ہو؟"
"میری بوریت کو چھوڑیں۔ آپ یہ بتائیں خرم نے یہ کیا کیا ہے؟ کیا آپ کو پپا کی پریشانیوں کا اندازہ ہے؟"
"کوئی پریشانی نہیں ہے۔ وہ چاہیں تو شام تک خرم کو باہر لے آئیں لیکن وہ مجھے خرم کے معاملے میں پریشان رہنے دیں گے تاکہ میں ان کی تیسری کی راہ میں رکاوٹیں نہ بن سکوں۔"
"خرم اس بری طرح پھنس گیا ہے کہ اسے رہائی نہیں دلائی جاسکے گی۔"
"تم اسے خرم کیوں کہتی ہو؟ جبکہ وہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔"
"جو میرے مزاج پر گراں گزرتا ہے' میں اس کا ذکر سننا بھی پسند نہیں کرتی۔ اس کا نام صرف اس لئے زبان پر لارہی ہوں کہ وہ میری ماں کا بیٹا

ہے۔ میرے پپا کو اور ہمارے خاندان کو بدنام کررہا ہے۔"
"بیٹے بدنام ہوکر بھی شان سے جیتے ہیں۔ لیکن بیٹی کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ پکڑی جائے تو باپ اور بھائیوں کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔"
"ابھی کسی بیٹی کا نہیں' بیٹے کا معاملہ ہے۔"
لاثانی بیگم نے کہا۔ "بیٹی کا بھی معاملہ ہے۔ خود پارسا بن کر میرے بیٹے پر کیچڑ نہ اچھالو۔"
بیٹی نے چونک کر پوچھا۔ "کیا؟ میں پارسا نہیں ہوں' پارسا بن رہی ہوں؟"
"تم ابھی باپ سے کہہ رہی تھیں کہ پچھلی رات بخار آیا تھا۔ مجھے بتاؤ اس بخار کا نام کیا ہے؟"
وہ جھجکتی ہوئی بولی۔ "یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"
"بدن توڑ بخار کی ہسٹری پوچھ رہی ہوں۔ کل رات کون آیا تھا؟"
وہ ایک پیالے میں سوپ لے کر بولی۔ "آپ کیسے کہہ رہی ہیں کہ کوئی آیا تھا؟"
"اپنے باتھ روم کے باسکٹ میں جاکر دیکھو۔ کوئی اپنی بنیان اتار کر گیا ہے؟"
وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ "کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟"
وہ جواب سنے بغیر تیزی سے جانے لگی۔ دل کہہ رہا تھا' دو روز سے

آنے اور جانے والے کی کوئی نشانی مل جائے۔ جب وہ نہ رہے تو اس کی کوئی چیز رہا کرے۔
باسکٹ کھولتے ہی اس کی چیز مل گئی۔ بنیان میلی نہیں تھی۔ مگر اس میں پہننے والے کی مہک تھی۔ نازاں نے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنے چہرے سے لگالیا۔ ایک گہری سانس لی۔ اس بنیان والے کی مہک سانسوں میں سمانے لگی اور حواس پر چھانے لگی۔
پھر اس نے بنیان کو اپنے سینے سے لگالیا۔ اسے اپنی دھڑکنیں سنانے لگی۔ دل ہی دل میں اس کپڑے سے پوچھنے لگی۔ "تم ہی آتے ہو نا؟ بولو! تم ہی آتے ہو؟"
لاثانی بیگم نے باتھ روم میں آکر اسے دیکھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کی زندگی میں آنے والا صرف ضرورت بن کر نہیں محبت بن کر بھی آیا ہے اور اسے دیوانہ بنا رہا ہے۔
اس نے قریب آکر پوچھا۔ "کون ہے یہ؟"
اس نے چونک کر ماں کو دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ بنیان آپ کو کہاں سے ملی؟"
"بیڈ کے نیچے پڑی ہوئی تھی۔ اگر ملازمہ کی نظر پڑتی تو وہ تمہارے بارے میں کیا سوچتی؟ میں حیران ہوں کہ تم نے کسی کو لفٹ کیسے دی ہے؟ تم تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی ہو۔"
وہ ماں سے کترا کر بیڈروم میں آئی۔ ماں نے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

"تم کن ہواؤں میں اڑ رہی ہو؟ کیا میری باتیں سن رہی ہو؟ کون ہے وہ تمہارا بوائے فرینڈ؟"

"بوائے فرینڈ؟" اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ پھر کہا۔ "پتہ نہیں' میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ وہی ہے یا اس کا مشابہ ہے۔"

"کون وہی ہے؟ کون کس کا مشابہ ہے؟"

"یارسیال!"

لاثانی بیگم کو جیسے پتھر آکر لگا ہو۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولی۔ "یارسیال؟ تم اس کا نام کیوں لے رہی ہو؟"

"ممی! یہ بنیان اسی کی ہے۔"

"کیا؟ نن۔ نہیں؟ وہ تو مرچکا ہے۔"

"میں اسی کشمکش میں ہوں کہ وہ مرچکا ہے تو پھر میرے پاس اسکا مشابہ آتا ہے۔ یا پھر وہ مشابہ نہیں ہے۔ وہ خود یارسیال ہے۔"

"تمہاری عقل کیا کہتی ہے؟ کیوں گڑا مردہ اکھاڑ رہی ہو؟ اس کی بات بتاؤ' جو یہاں آتا ہے۔ کیا تمہیں احساس ہے کہ وہ چوری چھپے آئے گا تو تمہاری کیسی بدنامی ہوگی۔"

"بدنامی کیوں ہوگی؟"

"کیا خرم نے بدنام کرنے والی حرکتیں نہیں کیں۔ وہ بھی چار دیواری کے اندر تھا مگر پولیس والے پہنچ گئے۔ کیا پولیس والے یہاں نہیں پہنچیں

گے؟"

"ممی! جیراں کے اندر زہر بھرا ہوا تھا۔ اس نے خرم سے انتقام لیا ہے۔ لیکن میرا محبوب' دشمن نہیں ہے۔ وہ نہ خود رسوا ہوگا' نہ مجھے رسوا ہونے دے گا۔"

"لیکن وہ کون ہے؟ سوسائٹی میں اس کا کیا مقام ہے؟ کیا جاگیردار ہے' یا کسی بڑے صنعت کار کا بیٹا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ وہ جو بھی ہے' میری پسند ہے۔ میری محبت ہے وہی میرا لائف پارٹنر ہوگا۔"

"اس سے کہو' وہ آکر ہم سے ملے اور اپنا خاندانی پس منظر بتائے۔"

"میں اس سے کچھ پوچھ نہیں سکوں گی اور وہ کچھ بتائے گا تو یاد نہیں رکھ سکوں گی۔ کیونکہ اس کی قربت میں سحرزدہ رہتی ہوں۔ ساری دنیا کو بھول جاتی ہوں۔"

"ایسی دیوانگی اچھی نہیں ہوتی۔ تم تباہ ہوجاؤگی۔ ہم بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ میں تمہیں سمجھاتی ہوں' شادی سے پہلے اس سے نہ ملو۔ دور کی دوستی رکھو۔ اسے تمہاری کوٹھی میں' تمہارے بیڈروم میں نہیں آنا چاہئے۔"

"کیوں نہیں آنا چاہئے؟"

"یہ بے حیائی ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ حکم دیتی ہوں۔ آئندہ اسے یہاں قدم نہ رکھنے دینا۔ میں یہاں دو سیکورٹی گارڈز کا اضافہ کردوں

گی۔"

"آپ جاہل طبقے کی ماؤں کی طرح مجھ پر حکم نہ چلائیں۔ یہ میری کوٹھی ہے۔ یہاں میں اپنی مرضی اور مزاج کے مطابق رہوں گی۔ آپ یہاں مجھ پر پہرے نہیں لگائیں گی"

"جب تک شادی نہ ہو' تب تک لڑکیاں والدین کی پابندیوں میں رہتی ہیں۔ تم شادی کے بعد اپنی مرضی سے زندگی گزار لینا۔ پھر میں تمہیں روکنے ٹوکنے نہیں آؤں گی۔"

"آپ اب بھی نہیں روکیں گی۔ میں بالغ ہوں۔ اپنی مرضی کی مالک ہوں۔ اگر آپ مخالفت کریں گی تو میں اس سے کہوں گی' مجھے بھگا کر لے جائے۔"

اس نے اپنی ضدی اور سرکش بیٹی کو دیکھا۔ پھر نرمی سے بولی۔ "تم اپنے پپا کو بہت چاہتی ہو۔ کیا انہیں بدنام کروگی؟"

"آج وہ آئے گا تو میں اس سے کہوں گی' مجھ سے شادی کرلے۔ میں پپا کی بدنامی نہیں چاہتی۔"

"پہلے یہ تو معلوم کرو کہ تمہارے پپا اسے داماد بنانا پسند کریں گے یا نہیں؟"

"وہ میرے باپ ہیں۔ قابل احترام ہیں۔ اگر وہ میری پسند کو ناپسند کریں گے تو میری اور میرے یار کی انسلٹ کریں گے۔"

"تم یارسیال کا نام کیوں لے رہی ہو۔ اس کے مرنے کے بعد بھی ہمیں

اس کے نام سے نفرت ہے؟"

"نفرت تو مجھے بھی تھی۔ لیکن جانے کیسے اس نے میرا من مزاج ہی بدل دیا ہے۔ وہ اب موجود ہے یا نہیں ہے لیکن اس کا نام اور اس کی صورت لے کر آنے والا مجھے وہی لگتا ہے۔"

"میں اس سلسلے میں تمہارے باپ سے بات کروں گی۔"

"تو پھر پپا مجھے اس کوٹھی میں تنہا نہیں رہنے دیں گے۔ اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔ پھر وہ مجھ سے ناراض ہوجائے گا۔ مجھ سے نہیں ملے گا۔ آپ پپا کو اس کے بارے میں ابھی کچھ نہ بتائیں۔"

"کیا تمہیں بدنامی پھیلانے کے لئے آزاد چھوڑ دوں؟"

نازاں نے اسے باغیانہ انداز میں دیکھا۔ پھر آئینے کے سامنے آکر دونوں ہاتھوں سے اس بنیان کو جھٹک کر پہننے لگی۔ لاثانی بیگم نے ناگواری سے پوچھا۔ "یہ کیا کررہی ہو؟ اس کی اترن پہن رہی ہو؟ پھینکو اسے۔۔۔"

"وہ محبت ہی کیا' جو بدنام نہ ہو۔ میں نے بدنامی کا یہ چولا پہن لیا۔ اس کوٹھی کے اندر ابھی صرف خادمائیں دیکھیں گی۔ یہ آپ کے لئے وارننگ ہے۔ اگر آپ اس سلسلے میں پپا سے کچھ کہیں گی تو میں یارسیال کے ساتھ بدنام ہونے کے لئے یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔"

وہ بنیان پہنے اطمینان سے چلتی ہوئی بیڈروم سے نکل کر ڈائننگ روم کے ٹیبل کے پاس آئی۔ پھر کرسی پر بیٹھ کر سوپ پینے لگی۔ لاثانی بیگم تشویش بھری نظروں سے اترن پہننے والی بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔

❑*❑

اس رات نازاں نے روٹی کھائی لیکن سوئٹ ڈش کو ہاتھ نہیں لگایا۔ زینت نے کہا۔ "بی بی جی! یہ کھیر آپ بڑے شوق سے کھاتی ہیں' تھوڑی سی چکھ لیں۔"

"نہیں۔ اسے لے جا۔ جب بھی کھاتی ہوں' نشہ ہونے لگتا ہے۔ مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ تو کچھ گڑبڑ کرتی ہے۔"

"آپ کو دل سے یقین نہیں ہے کہ میں گڑبڑ کرتی ہوں۔ ورنہ آپ مجھے سزا دیتیں۔"

وہ اس لئے سزا نہیں دیتی تھی کہ سوئٹ ڈش باعث رحمت و محبت تھی۔ وہ اب سے پہلے بھی میٹھا کھاتی تھی۔ مگر میٹھا پھل نہیں پاتی تھی۔ جب میٹھے سے نشہ آیا تو پھر یار بھی آیا۔ آج وہ نشے کے بغیر یار سے ملنا چاہتی

تھی۔

اسنے زینت سے پوچھا۔ "تجھے پتہ ہے کہ نشہ ہونے سے کیا ہوتا ہے؟"

"بی بی جی! میں نے کبھی نشہ نہیں کیا۔ آپ بتائیں نشے میں کیا ہوتا ہے؟"

"وصال یار ہوتا ہے۔ جیراں جیل میں ہے۔ وہ جانتی تھی کہ میرے ساتھ نشے میں کیا ہوتا ہے۔ تیرے صاحب آتے ہیں۔ میں انہیں دیکھتی ہوں۔ پہچانتی ہوں۔ پھر۔ پھر آنکھ کھلتی ہے تو وہ خواب ہوجاتے ہیں۔ پتہ نہیں کہاں چلے جاتے ہیں۔ آج پوچھوں گی۔ پوری طرح ہوش و حواس میں رہوں گی تو انہیں جانے نہیں دوں گی۔"

وہ کھانے کی میز پر سے اٹھ کر چلتی ہوئی سوچنے لگی۔ میں نشے میں تو نہیں ہوں؟ نہیں بالکل نہیں۔ بالکل نارمل ہوں۔ آج میں جاگتے ہوئے ذہن سے' جاگتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھوں گی اور قبول کروں گی۔"

اس نے بیڈروم کے دروازے پر آکر ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دل میں کہا۔ "یہ دروازہ کھلتے ہی وہ نظر آئے گا۔ کل یہی ہوا تھا' وہ پہلے سے کمرے میں موجود تھا۔"

اس نے دھڑکتے ہوئے دل سے ہینڈل کو گھمایا۔ دروازہ کھل گیا۔ پہلے ذرا سا کھلا۔ وہ نظر نہیں آیا۔ اس نے پوری طرح اسے کھولا۔ یہاں سے وہاں تک دیکھا' وہ نہیں تھا' بڑی مایوس ہوئی۔ اس نے اندر آکر دروازے

کو بند کردیا۔

وہاں سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بالکونی میں آئی۔ باہر نیم تاریکی میں دور تک دیکھنے لگی۔ شاید وہ آرہا ہو۔ کسی وجہ سے دیر ہوگئی ہو۔ مگر افسوس! وہ نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ اداس ہوگئی۔ بالکونی سے پلٹ کر کمرے میں آگئی۔ موبائل فون کے بزر نے مخاطب کیا۔ اس نے ناگواری سے سینٹر ٹیبل پر پڑے ہوئے فون کو دیکھا۔ اسکا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ کسی سے بولنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن ممی اور پپا کا فون ہوسکتا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر فون کو میز پر سے اٹھایا۔ پھر کان سے لگا کر پوچھا۔ "ہیلو کون ہے؟"

"تمہارا یار!" ایک بھاری بھرکم سرگوشی سیدھی دل میں اتر گئی۔

وہ مسرتوں سے نہال ہوکر بولی۔ "تم؟ یہ تم ہی ہونا؟"

"میں وہی ہوں' جس کا تمہیں انتظار ہے۔"

"تم کہاں ہو؟ کیوں نہیں آرہے ہو؟"

"میں نشے میں ڈوبے ہوئے حسن کا دیوانہ ہوں اور تم نشے میں نہیں ہو۔"

"آج میں ہوش میں رہ کر ملنا چاہتی ہوں۔"

"میں ہوش و حواس کی دنیا سے جاچکا ہوں۔ تمہیں یاد ہے نا' شادی کی رات میرا بلاوا آگیا تھا۔ جو ہوش و حواس کی دنیا سے چلا جاتا ہے' وہ کبھی

واپس نہیں آتا۔"

"پھر تم کیوں آجاتے ہو؟"

"میں تمہارے خوابوں میں' خیالوں میں اور مدہوشی کے عالم میں آتا ہوں۔ مجھے تم کبھی ہوش میں رہ کر نہیں دیکھ سکوگی۔"

"تم میرے اور اپنے درمیان نشے کا پردہ حائل کرتے ہو۔ آخر کیوں؟"

"میں شادی کی رات ایک زندگی ہار چکا ہوں۔ تم نے مجھے جہنم میں پہنچادیا۔ اب کبھی تمہیں نظر نہیں آؤں گا۔ مجھے جب بھی دیکھوگی' مدہوشی کی عینک لگاکر دیکھوگی۔"

"میں جسم و جان سے تمہاری ہوچکی ہوں۔ کیا اب بھی مجھے دشمن سمجھتے ہو؟"

"دشمن سمجھتا تو تمہیں جہنم پہنچاتا۔"

"دوست سمجھتے ہو تو آجاؤ۔"

"جب تم میٹھا کھالیتی ہو تو بہت میٹھی ہوجاتی ہو۔ دوست بن کر رہنا چاہتی ہو تو اپنے ڈائننگ روم میں جاؤ اور فریج سے سوئٹ ڈش نکال کر کھاؤ۔"

اب یہ بات صاف سمجھ میں آرہی ہے کہ تم میری ملازمہ زینت کے ذریعہ وصال اور جدائی کا کھیل کھیل رہے ہو۔ دوسرے لفظوں میں میرے جذبات سے کھیل رہے ہو۔ مجھ سے محبت نہیں کرتے ہو۔ تم نے جس طرح زینت کو قابو میں کیا ہے۔ اسی طرح جیراں کو بھی قابو میں کیا تھا اور اسے

بڑی رقم دیکر اس کے ذریعہ خرم کو حدود آرڈیننس کے تحت پھنسادیا ہے۔ تم اس سے اپنی بہن کا انتقام لے رہے ہو۔ اور مجھے۔ مجھے تو تم نے بری طرح لوٹا ہے۔ اور پتہ نہیں کس طرح انتقام لیتے رہوگے۔"

"اپنی خاندانی اوقات پر آگئیں۔ میری عقل مجھے سمجھاتی تھی کہ میں ابھی تمہیں اپنی نئی زندگی کا مژدہ نہ سناؤں یہ تمہارے لئے منحوس خبر ہوگی۔ تمہارا غرور اور تمہاری انا مجھے قبول نہیں کرے گی۔ اور یہی ہورہا ہے۔۔۔۔ ٹھیک ہے قبول نہ کرو۔ میں نے ایک دشمن کی طرح نہیں' ایک شوہر کی حیثیت سے اپنے حقوق حاصل کئے ہیں۔"

"میں تمہیں اپنا خاوند تسلیم نہیں کرتی ہوں۔"

"سوچ لو' انکار کروگی تو پچھلی دو راتیں تمہارے گناہوں کی راتیں ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم ابھی خاوند ہو۔ میں تم سے طلاق لوں گی۔"

"تم تو عدت کے ایام گزار رہی ہو۔ بیوہ ہو۔ پھر کس سے طلاق لوگی؟"

وہ غصہ سے بولی۔ "تم کیوں مجھے الجھارہے ہو؟ ٹھیک ہے' میں بیوہ ہی سہی۔ عدت کے ایام گزارنے کے بعد میں کسی سے شادی کرلوں گی۔"

"جب بھی شادی کرنا چاہوگی میں شوہر کی حیثیت سے ظاہر ہوجاؤں گا۔"

"عدت کے دن پورے کرنے کے بعد سابقہ شوہر اچانک زندہ ہوکر آئے تو پھر وہ شوہر نہیں رہتا۔"

"اگر عدت کے دوران عورت چوری چھپے اپنے خاوند سے تعلق رکھے تو وہ عدت کے بعد بھی خاوند ہی رہے گا اور یہ جو تم عدت کا تیسرا مہینہ گزار رہی ہو تو بے ایمانی سے' دنیا والوں کو دھوکہ دے کر مجھ سے دوبار مل چکی ہو۔ بہتر ہے' شادی' طلاق' بیوگی اور عدت کے معاملات کو نہ الجھاؤ۔ سیدھی سی ایک بات یاد رکھو' تم میری شریک حیات ہو اور رہوگی۔ کسی کے سامنے یہ ثابت کرنے نہیں کرسکوگی کہ ایک زندہ شوہر کی بیوی ہو۔ میں جارہا ہوں۔ آئندہ اسی رات آؤں گا۔ جب تم میٹھا کھاکر میرے لئے میٹھی بننا پسند کروگی۔"

"میں ابھی اس نمک حرام ملازمہ کو جوتے مار کر یہاں سے نکالوں گی۔"

"ایسا کرنے سے پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لینا کہ زینت اس کوٹھی سے نکل جائے گی تو آئندہ تم سے کبھی رابطہ نہیں ہوگا۔ زینت نمک حرام نہیں' نمک حلال ہے۔ وہ ہم دونوں کے نکاح کو حلال رکھنے اور بحال رکھنے کا رول ادا کررہی ہے۔"

"مجھے تم پر غصہ آرہا ہے۔ میں تم سے بات نہیں کروں گی۔"

اس نے فون بند کرکے اسے صوفہ پر پھینک دیا۔ پھر اس موبائل فون کو یوں دیکھنے لگی جیسے یار کو دیکھ رہی ہو کہ وہ صوفہ سے اٹھ کر اسے منائے گا۔ مان جاؤ۔ غصہ تھوک دو۔ میاں بیوی میں جھگڑا ہوتا رہے تو محبت بڑھتی ہے۔

اور وہ محسوس کررہی تھی کہ ابھی فون پر نفرت ظاہر کرنے اور غصہ

دکھانے کے باوجود اسے اپنے اندر سے نہیں نکال پارہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ جھگڑا کرے۔ یہ بات لاشعور میں تھی کہ جھگڑا کرنے کے لئے کوئی اپنا تو ہو۔

اس نے سنجیدگی سے سوچا۔ جیراں نے خرم سے انتقام لیا ہے۔ اور اگر یارسیال اپنی بہن کا انتقام لے رہا ہے تو کیا غلط کررہا ہے؟ خرم جیسے عیاش کسی غیرت مند کے ہاتھوں اپنے برے انجام کو پہنچتے ہیں۔

پھر وہ اپنے بارے میں سوچنے لگی' یارسیال نے اسے لوٹا نہیں ہے۔ اپنا حق حاصل کیا ہے۔ اسے ایسی مسرتیں اور ایسے طلسماتی دن رات دیئے ہیں' جو پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئے تھے۔

مگر ہاں' اسے غصہ آرہا تھا۔ اس بات پر آرہا تھا کہ اس کے ہوش و حواس کے دوران اسے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں اسے مدہوش رکھنا چاہتا تھا؟ اس کے لئے ایک خیالی محبوب کیوں بن رہا تھا؟ محبت ایسی تو نہیں ہوتی' جیسی وہ کررہا تھا۔

وہ غصے سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر اپنے بیڈروم سے نکلی۔ ڈرائنگ روم کی قالین پر زینت سو رہی تھی۔ اس نے قریب آکر اسے ایک لات ماری۔ چل اٹھ!"

وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ پھر جلدی سے کھڑی ہوگئی۔ نازاں نے کہا۔ "نمک حرام! تو میرا نمک کھاتی ہے اور یارسیال کے اشاروں پر چلتی ہے۔ مجھے بیوقوف بناتی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "بی بی جی! میں آپ کے خاوند کے لئے اپنے صاحب کے لئے کام کرتی ہوں۔ میری غلطی اتنی ہے کہ اس کے میٹھے میں بھنگ ملا کر آپ کو کھلایا' مگر میری نیت بری نہیں تھی۔ میں آپ کو اور صاحب کو ملانا چاہتی تھی۔"

"ملانے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔ کیا اپنے خاوند سے محبت مدہوشی میں کی جاتی ہے؟"

"آپ میری بات سے ناراض ہوں گی لیکن سچ یہی ہے' آپ نے مدہوش رہ کر صاحب سے محبت کرنا سیکھا ہے۔"

نازاں نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ لیا۔ بات تلخ تھی مگر سچ تھی۔ اس نے کہا۔ "ہوں تو نے مجھے محبت کرنا سکھایا ہے؟ ورنہ میں تو بالکل بیوقوف ہوں۔"

"میں یہ نہیں کہتی بی بی جی!"

"پھر کیا کہتی ہے؟"

"آپ کو محبت کرانے کا یہ طریقہ صاحب نے سکھایا ہے۔"

"تیرا صاحب بزدل ہے۔ اگر وہ میرے سامنے آئے تو میں اسے۔ میں اسے کیا کروں گی جانتی ہے؟ میں۔ میں اس سے ملنے سے انکار کردوں گی۔"

"آج تو آپ نے انکار ہی کیا ہے۔"

"ہاں اچھا کیا ہے۔ اگر تو نمک حرام نہیں ہے' تو بتا' وہ کہاں رہتا ہے؟"

"میں اپنے بچوں کی قسم کھا کر کہتی ہوں' صاحب اپنا پتہ ٹھکانہ نہیں بتاتے ہیں۔"

"پھر ان سے کہاں ملتی ہے؟"

"وہ کبھی میرے گھر آجاتے ہیں اور کبھی فون پر باتیں کرتے ہیں۔"

"تیرے صاحب کا فون نمبر کیا ہے؟"

اس نے نمبر بتائے۔ نازاں ریسیور اٹھاکر ڈائل کرنے لگی۔ رابطہ ہوتے ہی دوسری طرف سے یارسیال کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو کون؟"

"میں بول رہی ہوں۔"

"نازاں تم؟"

"ہاں۔ میں تم سے نفرت نہیں کرسکتی۔ مگر تم پر غصہ آتا ہے۔"

"جس طرح نفرت ختم ہوتی ہے۔ غصہ بھی ختم ہوجائے گا۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ تمہیں پوچھنا چاہئے کہ غصہ کیوں آتا ہے؟"

"کیوں آتا ہے؟"

"اس لئے کہ تم پیار کی سچائی سے ملنا نہیں چاہتے۔ ملاقات کے دوران مجھے نشے میں دیکھنا چاہتے ہو۔ یہ کیوں نہیں چاہتے ہو کہ میں حاضر دماغ رہ کر تم سے پیار کروں؟"

"نازاں تم نے مجھ سے دشمنی کی۔ دشمنی معمولی ہوتی تو میں اسے نظرانداز کردیتا لیکن میرے قتل کے منصوبے پر عمل کیا گیا۔ یہ ایسی دشمنی ہے جس کی تھوڑی بہت سزا تمہیں ملنی چاہئے۔ میں تمہیں کوئی نقصان

نہیں پہنچا رہا ہوں۔ ایک پیار بھری سزا دے رہا ہوں۔"

"یعنی مجھے مدہوش رکھنے کی سزا دے رہے ہو۔ اس سے تمہیں کیا حاصل ہوگا؟"

"تم پورے ہوش و حواس میں رہ کر میری ہلاکت کے منصوبے میں شریک رہیں اور مجھے ہلاک کردیا۔ اب تمہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ تم ہوش و حواس میں رہ کر ملاقات کرو۔ تمہاری سزا یہی ہے کہ تمہیں مدہوشی میں میری قربت ملے گی۔ ورنہ دوری رہے گی۔"

"میں جانتی ہوں۔ میں نے جو کیا' اس کی سزا مجھے ضرور ملنی چاہئے۔ تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو اور بڑے پیار سے سزا دے رہے ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ کیا ساری زندگی مجھے اپنی قربت سے غافل رکھوگے؟"

"ساری زندگی نہیں' صرف ڈیڑھ برس تک۔ اس کے بعد تم ہوش میں رہ کر میرے ساتھ زندگی گزاروگی۔"

"میں بخوشی سزا بھگتوں گی۔ ایک بات مانوگے؟"

"ہاں بولو؟"

"آجاؤ۔ میں میٹھا کھا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے فون بند کردیا۔

❑*❑

عدالت میں پیشی کے لئے جیراں کو قیدیوں کی گاڑی میں لایا گیا۔ خرم اس بات سے انکار کرتا آرہا تھا کہ وہ گناہ کا مرتکب ہورہا تھا۔ اس کے برعکس جیراں نے بیان دیا کہ اسے خرم کے ساتھ شرمناک حالت میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اس کے اس بیان سے خرم کی شامت آگئی تھی۔

سلیمان شاہ باپ سمجھا جاتا تھا۔ اخبارات والے اس پر کیچڑ اچھال رہے تھے۔ سلیمان شاہ کی طرف سے کوشش کی جارہی تھی کہ خرم کو رہائی مل جائے۔ رہائی ملنے پر کہا جاسکتا تھا کہ اس پر زناکاری کا الزام غلط تھا۔ لیکن یہ کیس ایسا تھا کہ بڑے بڑے ذرائع کام نہیں آرہے تھے۔ صرف اس حد تک کامیابی ہورہی تھی کہ عدالت میں پیشی کی تاریخ بڑھائی جارہی تھی۔ اس طرح انہوں نے چھ ماہ گزار دیئے تھے۔

آخر ایک پیشی میں جیراں کو لایا گیا۔ عدالت کے احاطے میں جب وہ قیدیوں کی گاڑیوں سے باہر آئی تو اچانک فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ان آوازوں میں جیراں کی چیخیں گڈمڈ ہوگئیں تھیں۔ لوگ فائرنگ سے بچنے کے لئے ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ یہ بھگدڑ اور چیخ و پکار صرف دو تین منٹ تک رہی۔ پھر خاموشی چھاگئی۔ فائرنگ کے نتیجے میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ وہاں کچھ زیادہ نہیں ہوا۔ لوگوں نے انصاف کے دروازے پر جیراں کی لاش دیکھی۔

لاثانی بیگم نے خرم کے لئے جو وکیل کیا تھا۔ اس نے انسپکٹر محمود اختر کے خلاف کیس تیار کیا تھا کہ محمود اختر برسوں سے سلیمان شاہ کا مخالف ہے۔ اس مخالفت کے پیچھے اس کے ذاتی مفادات چھپے ہوئے ہیں۔ اس نے جیراں جیسی آوارہ عورت کو خرم کے گھر پہنچایا تھا۔ اور جیراں کے ذریعہ خرم جیسے معزز رئیس زادے پر جھوٹا شرمناک الزام لگایا تھا۔

جیراں سے جبراً خرم کے خلاف بیان لکھوایا گیا۔ چونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ جیراں عدالت میں بیان سے مکر جائے گی۔ اس لئے عدالت میں پہنچنے سے پہلے ہی اسے قتل کروا گیا۔

کیس کمزور ہوگیا۔ پولیس کی گواہی اطمینان بخش نہیں تھی۔ کوئی اور چشم دید گواہ نہیں تھا۔ اس لئے خرم کی رہائی یقینی ہوگئی تھی۔

عدالت کے احاطے میں فائرنگ کرنے والوں کو بھرپور معاوضہ دیا گیا تھا لاثانی بیگم بہت خوش تھی۔ وکیل نے یقین دلایا تھا کہ اگلی پیشی میں خرم کو

باعزت طور پر بری کروا دیا جائے گا۔

سلیمان شاہ نے فون پر انسپکٹر محمود اختر سے کہا۔ "انسپکٹر! تمہیں اپنی اوقات معلوم ہو گئی ہو گی۔ اگر پہلے ہی دن ہماری بات مان لیتے تو ایک لاکھ روپے سے محروم نہ ہوتے۔"

"شاہ جی! آپ بڑے لوگ ہیں۔ میں ایک معمولی انسپکٹر ہوں۔ یہ ہمیشہ یاد رکھتا ہوں کہ اس ملک کی اسمبلیوں میں آپ ہی حضرات قانون بناتے ہیں اور اسمبلیوں کے باہر آپ ہی قانون توڑتے ہیں۔ آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں قانون توڑنے والوں کی گردنیں توڑ دیا کرتا ہوں۔"

سلیمان شاہ نے حقارت سے فون بند کر دیا۔ پیشی کے دن خرم قیدیوں کی گاڑی میں جا رہا تھا۔ اس کے پاس بیٹھے ہوئے ایک سب انسپکٹر نے رازداری سے کہا۔ "تمہارا مقدمہ پھر الجھ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے آج تمہیں سزا سنا دی جائے۔ شاہ جی مجھ پر مہربان ہیں۔ اس لئے میں نے تمہارے فرار ہونے کا انتظام کیا ہے۔ تم اس گاڑی سے نکلتے ہی اپنی بہن شینا کی کوٹھی میں جاؤ گے۔ وہاں شاہ جی تمہارے منتظر رہیں گے۔"

ایک جگہ گاڑی روک دی گئی۔ پچھلا دروازہ کھول دیا گیا۔ وہ گاڑی سے باہر آیا۔ سب انسپکٹر نے کہا۔ "بھاگو!"

وہ بھاگنے لگا۔ تھوڑی دور جاتے ہی ٹھٹھک کر رہ گیا۔ سامنے انسپکٹر محمود اختر ہاتھ میں ریوالور لئے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "میں قانون توڑنے والوں کی گردنیں توڑ دیتا ہوں۔ تمہارا باپ مجھے میری اوقات بتا رہا تھا۔

تمہاری اوقات یہ ہے کہ تم ابھی کتے کی موت مرو گے۔"

خرم نے گڑگڑا کر کہا۔ "مجھے معاف کر دو۔ مجھے جانے دو۔"

"جیراں ایک مظلوم عورت تھی۔ مجھ پر بھروسہ کر کے آئی تھی کہ اسے انصاف ملے گا۔ لہٰذا اسے انصاف ملے گا۔ بھاگو یہاں سے......"

وہ لرزتے ہوئے قدموں سے ایک طرف بھاگنے لگا۔ انسپکٹر محمود اختر نے اس کی پشت پر گولی مار دی۔ کیونکہ پولیس مقابلہ میں فرار ہونے والے قیدیوں کو پشت پر ہی گولیاں لگا کرتی ہیں۔

اس کا قتل اس طرح ہوا تھا کہ بڑے سے بڑا وکیل اسے قتل ثابت نہیں کر سکتا تھا۔ انسپکٹر محمود اختر نے ایسی پلاننگ کی تھی کہ خرم مفرور ثابت ہوا۔ چونکہ وہ پولیس کی حراست سے نکل کر بھاگ رہا تھا۔ اس لئے اسے روکنے کے لئے ٹانگ پر گولی ماری جا رہی تھی۔ ایسے وقت وہ گر پڑا۔ یوں ٹانگ میں لگنے والی گولی پشت پر لگی۔ اسے زخمی ہونا چاہئے تھا لیکن وہ ہلاک ہو گیا۔

پوسٹ مارٹم کے بعد لاش لاثانی بیگم کی کوٹھی میں پہنچا دی گئی۔ خاندان کے تمام افراد نے ماتمی انداز میں سر جھکا لیا۔ صرف لاثانی بیگم دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ایسے وقت بین کرنے والی عورتیں مرنے والے کی خوبیاں بیان کرتی جاتی ہیں اور روتی جاتی ہیں اور خرم کے لئے بھی بین کرنے والی عورتوں کو بلایا جاتا تو وہ کچھ اس طرح مقتول کی صفات بیان کرتے ہوئے روتیں۔

ہائے لاثانی بیگم! تیرے جوان سال بیٹے کو مظلوموں کی ہائے لگ گئی۔ ہائے کیسا گبرو جوان تھا، شیطان کی موت مارا گیا۔

آہ! مقتول میں بڑی خوبیاں تھیں اور دوسروں کی بہنوں اور بیٹیوں پر فوراً عاشق ہو جایا کرتا تھا اور انہیں بے آبرو کرنے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔

یہ ان خوش نصیب جوانوں میں سے ایک تھا، جن کی مائیں، ان کے اصلی باپ کی نشاندہی کرتے وقت الجھن میں پڑ جاتی ہیں۔

یہ حرام کے راستے سے دنیا میں آیا اور حرام کی موت کے ذریعہ دنیا سے چلا گیا۔

سلیمان شاہ نے اس کی موت پر اطمینان کی سانس لی۔ خرم اس کا سگا نہیں تھا۔ ایک ایسے عیاش بیٹے سے نجات ملی تھی، جو اپنا نہیں تھا لیکن اپنا بنا دیا گیا تھا۔

اس نے ٹیلیفون کی گھنٹی سن کر ریسیور کان سے لگایا۔ دوسری طرف سے یارسیال نے کہا۔ "ایک معصوم لڑکی کو جبراً پھندے سے لٹکا کر اس کے قتل کو خودکشی کا نام دیا گیا تھا۔ تیرے بیٹے کو بھی قتل کیا گیا ہے لیکن قانون کی نظروں میں یہ قتل نہیں ہے۔"

"کون ہو تم؟ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"تم نے بیٹی کو یارسیال کی نمائشی دلہن بنایا لیکن اسے یار کی آغوش میں پہنچنے نہیں دیا۔ اس بیچارے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب تمہاری بیٹی کی شامت آئی ہے۔"

اس نے ناگواری سے ریسیور رکھ دیا۔ لاثانی بیگم روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔ "یہاں میرے جوان بیٹے کی میت رکھی ہے اور کوئی مجھے فون پر کہہ رہا تھا کہ ہم نے ایک معصوم لڑکی کو پھندے پر چڑھا کر قتل کیا۔ اسی طرح خرم کو زبردستی موت کے منہ میں پہنچایا ہے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ کسی نے مجھے بھی فون پر یہی کہا ہے۔"

"ہمیں اپنی نازاں کی فکر کرنا چاہئے۔ وہ فون کرنے والا یارسیال ہو گا۔ ضرور نازاں سے انتقام لے گا۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟ کیا یارسیال اپنی قبر سے اٹھ کر نازاں سے انتقام لے گا؟"

"نازاں کہہ رہی تھی کہ وہ زندہ ہے اور اس سے ملاقات کرتا ہے۔"

"کیا بیٹے کی موت سے تمہارا دماغ پھر گیا ہے؟ نازاں کب ایسا کہہ رہی ہے؟ وہ سمجھدار اور سنجیدہ لڑکی ہے۔ ایسی بکواس کبھی نہیں کرے گی۔"

"آپ یقین نہیں کریں گے۔ نازاں کو بھی پوری طرح یقین نہیں ہے کہ وہ یارسیال ہے یا نہیں؟ وہ اس کا ہم شکل بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ نازاں کسی سے ملتی ہے۔"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"اس نے دھمکی دی ہے کہ میں آپ کو اس کے لو افیئر کے بارے میں بتاؤں گی تو وہ اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ بھاگ جائے گی۔"

"وہ بوائے فرینڈ یارسیال نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ کون ہے؟"

"آپ غصہ کریں گے تو بات بگڑ جائے گی۔ آپ جانتے ہیں، وہ کیسی ضدی لڑکی ہے۔"

سلیمان شاہ فکر میں مبتلا ہو گیا۔ پہلے خرم پر شرمناک الزامات کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور اب اس کی موت پر ختم ہو رہا تھا۔ لیکن کسی بدنام کے مرنے سے بدنامی نہیں مرتی۔ خرم کے حوالے سے ہونے والی بدنامیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اب نازاں کی طرف سے فکر ہونے لگی کہ پتہ نہیں وہ کس جوان سے کتنے عرصے سے مل رہی ہے اور کب سے بدنامیوں کے لئے راہیں ہموار کر رہی ہے۔

سلیمان شاہ نے سوچا، یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ خرم کے سوئم کے بعد وہ بیٹی سے بات کرے گا۔"

❑*❑

اس نے اپنے دولہا کے ساتھ جو پہلی رات گزاری تھی، تب سے اب تک چار ماہ گزر چکے تھے۔ وہ ہر ملاقات کے بعد اس کی چاہت میں شدت محسوس کرتی رہتی تھی۔ اس دوران کبھی کسی مجبوری کے باعث وہ چار چھ دن اس سے جدا رہی۔ ورنہ اس کی جدائی برداشت نہیں کرتی تھی۔

خرم کی موت کے باعث بھی اسے تین دن کے لئے یارسیال سے جدا ہونا پڑا۔ وہ لاہور آئی تھی اور سوئم تک وہاں رہنے والی تھی۔ اس نے یارسیال سے ضد کی تھی کہ ہر رات سونے سے پہلے اسے فون کرے گا۔

اس نے وعدہ کیا۔ پھر وعدہ کے مطابق پہلی رات فون کیا۔ اس سے پوچھا۔ "کیا تمہارا بھائی مٹی میں مل گیا؟"

وہ بولی۔ "پلیز مرنے والے کے متعلق اس انداز سے نہ بولو۔ میں صحیح

الفاظ کے ساتھ کہہ رہی ہوں، اس کی تدفین ہو چکی ہے۔"

"غریب مرتے ہیں تو ان کے لئے اچھے الفاظ ادا نہیں کئے جاتے۔ میری بہن کی بدنامی آج بھی ہو رہی ہے۔ ایسے میں خرم کے لئے اچھے الفاظ ادا کرنے کو نہ کہو۔ کتے آدمی کی موت نہیں مرتے۔ اور مرنے کے بعد بھی کتے کہلاتے ہیں۔"

"میں بہن کے لئے تمہارے جذبات کو سمجھتی ہوں۔ تم نے ابھی محبت سے مجھے فون کیا ہے۔ اس لئے محبت سے بولو۔ دوسری باتیں رہنے دو۔"

"دوسری بات یہ ہے کہ میں اتنی رات کو چھت پر بیٹھا ہوا ہوں۔"

"چھت پر کیوں بیٹھے ہو۔ سردی لگ جائے گی۔"

"لگنے دو۔ مجبوری ہے۔ دنیا کا ہر عاشق اپنی معشوق کی جدائی میں تارے گنتا ہے۔ میں بھی چھت پر یہی کر رہا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "یعنی کے مجھے یاد کر رہے ہو۔ مجھے خوشی ہو رہی ہے۔ لیکن تکلیف بھی ہو رہی ہے کہ تم سردی میں چھت پر ہو۔ پلیز کمرے میں جاؤ۔ میری تکلیف کا خیال کرو۔"

"لو میں اٹھ گیا۔ اب میرے کمرے میں پہنچنے تک تم بولتی رہو۔ میں سنتا رہوں گا۔"

"مجھے یہاں آ کر ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے ہمارے درمیان دیوار کھڑی ہونے والی ہے۔"

"تم ایسا کیوں سمجھ رہی ہو۔"

"پپا مجھ سے کچھ ناراض ہیں۔ کہہ رہے تھے، سوئم کے بعد مجھ سے بات کریں گے۔"

"ایسی کیا بات کریں گے؟"

"پتہ نہیں، وہ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن ان کی ایک بات سے اندازہ ہو رہا ہے۔"

وہ ذرا چپ ہوئی۔ اس نے پوچھا۔ "کون سی بات؟"

"وہ کہہ رہے تھے، میں عدت کے ایام گزار چکی ہوں۔ لہٰذا اسلام آباد نہ جاؤں۔ لاہور میں ان کے ساتھ رہوں۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے صاف کہہ دیا ہے، اپنی اسلام آباد والی کوٹھی میں رہوں گی۔ انہوں نے خشک لہجے میں کہا کہ وہ ابھی بحث نہیں کرنا چاہتے۔ سوئم کے بعد بات کریں گے۔"

"ہوں، مخالف ہوا چل رہی ہے۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھ پر پابندیاں عائد کی جائیں گی۔"

"ڈرتی کیوں ہو؟ میں تمہیں زنجیریں توڑنا سکھاؤں گا۔"

وہ آہستگی سے بولی۔ "ممی! دروازے پر دستک دے رہی ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد فون کروں گی۔"

وہ فون بند کر کے دروازے کے پاس آئی۔ پھر اسے کھول دیا۔ وہاں لاثانی بیگم کھڑی ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔ "کمرے میں کون ہے؟ تم کسی سے

باتیں کر رہی تھیں۔"

"یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں فون پر باتیں کر رہی تھی۔"

"آدھی رات ہو چکی ہے۔ کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

"آپ تو انکوائری کر رہی ہیں۔ پہلے آپ میرے معاملات اور مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا کرتی تھیں؟"

"تمہیں ناگوار گزر رہا ہے تو نہیں پوچھوں گی۔"

پھر وہ کمرے میں آ کر بولی۔ "تم نے دیکھا ہے کہ مہمان بہت ہیں۔ مجھے تو کہیں سونے کی جگہ نہیں ملی۔ سوچا تمہارے ہی کمرے میں رات گزار لوں۔"

"ممی! میرا بیڈ چھوٹا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، میں صوفہ پر سو جاؤں گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "لیکن میں اپنے کمرے میں تنہا سونے کی عادی ہوں۔"

"کیا واقعی؟ تم آج کل تنہا سوتی ہو؟"

وہ ماں سے نظریں نہ ملا سکی۔ وہ نظریں چرا کر بولی۔ "پلیز آپ کسی دوسری بیٹی کے کمرے میں چلی جائیں۔"

"ایک کمرے میں کئی کئی عورتیں سو رہی ہیں۔ جاؤ اپنے بیڈ پر سو جاؤ۔"

وہ صوفہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ پھر آرام سے لیٹ گئی۔ نازاں تھوڑی دیر تک

ماں کو دیکھتی رہی اور سوچتی رہی۔ عشق کی راہوں میں جتنی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں، اتنی ہی راہیں کھلتی جاتی ہیں۔ اس نے باتھ روم میں جا کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر فون کے ذریعہ یار سے رابطہ کرنے لگی۔

لاثانی بیگم پندرہ منٹ تک صوفے پر لیٹی رہی۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ باتھ روم کے دروازے کو دیکھنے لگی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اسے کچھ خیال آیا تو وہ تیزی سے بستر کے پاس آئی۔ تکیوں کو اٹھا کر دیکھا۔ موبائل نظر نہیں آیا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ موبائل فون باتھ روم میں لے گئی ہے۔

وہ دبے قدموں چلتی ہوئی باتھ روم کے دروازے کے پاس آئی۔ پھر کان لگا کر سننے لگی۔ پہلے تو دھیمی دھیمی سی آواز سنائی دی۔ پھر اس کا مترنم قہقہ سنائی دیا۔ لاثانی بیگم ایک دم سے جل بھن کر رہ گئی۔

آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ فون پر جاری رہنے والی گفتگو ختم نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے پوچھا۔ تم اتنی دیر سے کیا کر رہی ہو؟

اندر سے بیٹی نے جواب دیا۔ "جو ٹوائلٹ میں کیا جاتا ہے، وہی کر رہی ہوں۔"

"آدھا گھنٹہ گزر چکا ہے۔ باہر آؤ۔"

"آپ کو پریشانی کیا ہے؟ آپ کیوں نہیں سو رہی ہیں؟"

"میری نیند اڑا رہی ہو اور سونے کو کہہ رہی ہو۔"

وہ باتھ روم سے نکل کر بولی۔ "میں نے ایسا کیا کیا ہے کہ آپ کی نیند اڑ رہی ہے؟"

"صاف صاف بتا دو وہ کون ہے؟"

"آپ کا داماد ہے۔"

"وہ شادی کے بغیر میرا داماد کیسے ہو سکتا ہے؟"

"شادی ہو چکی ہے۔ آپ نے اور پپا نے اس سے شادی کرائی ہے۔"

"کیا؟ کیا یارسیال کی بات کر رہی ہو؟"

"جی ہاں۔ کیا آپ بزرگوں نے میرا نکاح اس سے نہیں پڑھایا ہے؟"

"ہاں مگر وہ مر چکا ہے۔ تم کسی دوسرے یارسیال سے دھوکہ کھا رہی ہو۔"

"ممی! مجھے دھوکہ کھانے دیں۔ پلیز آپ سو جائیں۔"

"کیسے سو جاؤں؟ تم بدنامی کو ہوا دے رہی ہو۔ بیٹے نے جس طرح بدنام کیا، اسے تو ہم نے برداشت کر لیا لیکن بیٹی سے جو بدنامی ملتی ہے، وہ بڑی شرمناک اور ناقابل برداشت ہوتی ہے۔"

"میں آپ کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔ اب آپ مجھے سونے دیں۔"

وہ بستر پر آ کر بولی۔ "بیڈ چھوٹا ہے پھر بھی آپ سو سکتی ہیں۔ یہاں آ جائیں۔"

یہ کہہ کر وہ لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ بند آنکھوں کے پیچھے یار مسکراتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

❑*❑

کئی مہمان جا چکے تھے۔ خاندان کے صرف اہم افراد رہ گئے تھے۔ شام کو سلیمان شاہ نے آ کر نازاں کو ڈرائنگ روم میں بلایا۔ پھر پوچھا۔ "تم میرے ساتھ میری کوٹھی میں رہو گی یا یہاں اپنی ماں کے ساتھ؟"

"میں اپنی کوٹھی میں رہنا چاہتی ہوں۔"

"تم تقریباً آٹھ ماہ تک وہاں تنہا رہ چکی ہو۔ اب تمہیں ماں باپ کے سائے میں رہنا چاہئے۔"

"پپا! آپ مجھے تنہا رہنے دیں۔"

"کنواری لڑکیوں کو بزرگوں سے دور تنہا نہیں رہنا چاہئے"

"میں کنواری نہیں، سہاگن ہوں۔ آپ میری شادی کر چکے ہیں۔ آپ کی ذمہ داریاں ختم ہو چکی ہیں۔"

"وہ شادی نہیں تھی۔ ایک کھیل تماشا تھا، جو ختم ہو گیا۔"

"وہ کھیل تماشہ نہیں تھا۔ یارسیال سے میرا نکاح سچ مچ پڑھایا گیا تھا۔ آپ کا داماد مردہ نہیں، زندہ ہے۔ میں اس کے ساتھ رہوں گی۔"

سلیمان شاہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی وہ زندہ ہے؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟"

"وہ اسلام آباد میں ہے۔"

"وہ کیسے زندہ بچ گیا؟"

"یہ اس نے نہیں بتایا ہے۔"

"وہ اب تک ہم سے کیوں چھپا ہوا تھا؟"

"آپ لوگوں سے نفرت کرتا تھا۔ اب بھی کرتا ہے۔ آپ کے دروازے پر آ کر تھوکنا بھی نہیں چاہتا۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟"

"آپ لوگوں کے بارے میں اس کے جو خیالات ہیں، وہی سنا رہی ہوں۔"

"میں یقین نہیں کروں گا کہ وہ زندہ ہے۔ اگر تم کہتی ہو کہ وہ زندہ ہے تو اسے ہمارے سامنے لاؤ۔"

"وہ دوبارہ موت کو دعوت دینے نہیں آئے گا اور آپ کی سلامتی بھی اسی میں ہے کہ اس سے دور رہیں۔ اس نے جیراں اور انسپکٹر محمود اختر کے تعاون سے خرم کو ہلاک کرایا ہے۔ اپنی بہن کا انتقام لے چکا ہے۔"

لاثانی بیگم اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولی۔ "وہ میرے جوان بیٹے کو کھا گیا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"اس کا دعویٰ ہے کہ وہ آپ لوگوں کو زندہ چھوڑ دے گا لیکن منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "میں ایسے دشمن کے پاس تمہیں جانے نہیں دوں گا۔"

"میں ضرور جاؤں گی۔ آپ آٹھ ماہ پہلے مجھے رخصت کر چکے تھے۔"

"میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ تم یہاں رہو گی وہ دشمن یہاں آئے گا تو ہم اس سے نمٹ لیں گے ہم پر جوابی حملہ کرنے والا اس بار زندہ نہیں بچے گا۔"

وہ چیخ کر بولی۔ "آپ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ وہ میرا سہاگ ہے، میری زندگی ہے۔"

"چلاؤ مت۔ جب تمہیں غصہ آتا ہے تو کتیا کی طرح بھونکنے لگتی ہو۔"

"ہاں میں کتیا ہوں۔ جو میرے یار کو نقصان پہنچائے گا۔ میں اسے کاٹوں گی۔ آپ میرے پپا نہیں ہیں۔"

لاثانی بیگم نے کہا۔ "چپ ہو جاؤ۔ جو ہوتا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ میں اپنے بیٹے کے قاتل کو زندہ نہیں رہنے دوں گی۔"

نازاں پھر چیخ کر بولی۔ "وہ آپ کو سکون سے نہیں رہنے دے گا۔ آپ

میری ممی نہیں ہیں۔ آپ نے کبھی اچھی اور شریفانہ زندگی گزاری ہوتی تو آج یار جیسے داماد کی قدر کرتیں اور پپا! آپ کی زندگی کا معیار کیا ہے؟ کیا یہی کہ طلاق لینے والی عورتوں سے شادیاں کرتے رہیں۔ آپ شادی اور طلاق کو کھیل سمجھتے ہیں لیکن ہم شادی کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت مانتے ہیں۔ میرا یار بار بار شادیاں کرنے والوں کی طرح بے غیرت نہیں ہے۔"

بے غیرتی کا طعنہ سنتے ہی سلیمان شاہ نے اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ آنکھوں کے سامنے قمقمے سے جلنے بجھنے لگے۔ سر بری طرح چکرایا پھر وہ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔

اس کی دوسری بہنوں نے پاس آ کر دیکھا۔ اسے آوازیں دیں۔ اسے جھنجھوڑا۔ پھر کہا۔ "ممی! یہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر کو بلائیں یا ہسپتال لے چلیں۔"

سلیمان شاہ نے پریشان ہو کر بیٹی کی طرف دیکھا۔ پھر حکم دیا۔ "گاڑی نکالو۔"

ایک نہیں کئی گاڑیاں گیراج سے نکل آئیں۔ نازاں کو اٹھا کر ایک گاڑی کے اندر پہنچایا گیا۔ ماں، باپ، بھائی اور بہنیں کئی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ وہ قافلہ ہسپتال کی طرف جانے لگا۔

جس کار میں سلیمان شاہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس میں ایک حسین عورت، ایک بوڑھی کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی تھی۔ سلیمان شاہ نے پہلے کن انکھیوں

سے اسے دیکھا۔ پھر نظر بھر کر دیکھنے لگا۔ بڑا ہی دمکتا ہوا حسن تھا۔ چہرے کے نقوش قاتلانہ تھے۔ وہ دبلی پتلی، دھان پان سی تھی۔ مگر جاذب نظر تھی۔ دیکھنے والوں کی نظروں کو اپنے اندر جذب کر لیتی تھی۔

شاہ نے بوڑھی سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟ میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"حضور! میں ایک بیوہ ہوں۔ یہ میری بیٹی زلیخا ہے۔ ہم تعزیت کے لئے آئے تھے نازاں بی بی کی طبیعت خراب ہوگئی تو ہم نے سوچا ہمیں بھی ہسپتال تک جانا چاہئے۔"

اس نے زلیخا سے پوچھا۔ "کتنی تعلیم ہے؟"

بوڑھی نے کہا۔ "اردو انگریزی پڑھ لیتی ہے۔"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "یہ کافی ہے۔ زیادہ تعلیم یافتہ عورتیں [illegible] ہوتی ہیں۔"

"اس کے لئے کئی رشتے آ رہے ہیں۔ لیکن میں نے سوچا، حضور ایک نظر دیکھ لیں۔ اس لئے تعزیت کے بہانے چلی آئی۔"

"تم بہت سمجھدار ہو۔ میں تمہاری حیثیت اور خاندان کے بارے میں معلوم کروں گا۔"

"آپ اچھی طرح معلومات حاصل کر لیں۔ اگر آج رات غریب خانے میں تشریف لائیں گے تو ہماری عزت افزائی ہوگی۔"

"میں ضرور آؤں گا۔"

اس نے پھر زلیخا کو نظر بھر کے دیکھا۔ وہ مقناطیس کی طرح کھینچ رہی

تھی۔ اس کی کشش کہہ رہی تھی کہ تیسری کی جگہ آنے والی ہے۔

وہ ہسپتال پہنچ گئے۔ نازاں کو ہوش آگیا تھا۔ ایک لیڈی ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا۔ پھر کہا۔ "مبارک ہو۔ یہ ماں بننے والی ہے۔"

نازاں خوشی سے کھل گئی۔ ماں اور بہنیں چند لمحوں تک سکتے میں رہ گئیں۔ نازاں نے اپنی بڑی بہن سے کہا۔ "مجھے اپنا موبائل دو۔"

اس نے موبائل فون لے کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر یارسیال سے رابطہ ہونے پر کہا۔ "میں بول رہی ہوں۔ ہسپتال ہولی کراس میں ہوں۔"

"ہسپتال میں ہو خیریت تو ہے؟"

"خوشخبری ہے۔ تم باپ بننے والے ہو۔"

اس نے خوشی سے چیخ کر پوچھا۔ "کیا سچ! یہ تو تم نے میری زندگی کی سب سے بڑی خوش خبری سنائی ہے۔ مجھے اسی دن کا انتظار تھا۔ اب میں کچھ دنوں کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ مجھے اس حال میں چھوڑ کر جاؤ گے؟"

"جانا بہت ضروری ہے۔ وعدہ کرو، میری واپسی تک میری امانت کی حفاظت کرو گی۔ جیسا بھی مشکل وقت آئے، مجھ پر بھروسہ کر کے میرا انتظار کرو گی۔"

"جو کہو گے، وہی کروں گی۔ لیکن مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟"

"یہ نہ پوچھو۔ بلکہ یہ سمجھ لو کہ یہ تمہاری آخری سزا ہے۔ اس سزا سے گزرنے کے بعد تم آئندہ ہوش و حواس میں رہ کر میرے ساتھ زندگی

گزارو گی۔"

"میں اسی دن کا انتظار کر رہی ہوں۔ پورے ہوش و حواس کے ساتھ تمہاری آغوش میں رہنے کے لئے اس آخری آزمائش سے بھی گزر جاؤں گی۔"

لاثانی بیگم نے سلیمان شاہ کے پاس آ کر کہا۔ "نازاں ماں بننے والی ہے۔"

اسے جیسے بجلی کا جھٹکا پہنچا۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "یہ۔ یہ بے حیائی ہے۔"

وہ لاثانی بیگم سے بولا۔ "تم لیڈی ڈاکٹر سے ملو۔ اس بچے کو ضائع کراؤ۔ اس کے لئے جو رقم خرچ ہوتی ہے، ہونے دو۔ وہ دشمن ہماری بیٹی سے اولاد پیدا کر کے ہمارے سر جھکانا چاہتا ہے۔ جاؤ، میں جو کہہ رہا ہوں، وہ کرو۔"

لاثانی بیگم وہاں سے ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔

یارسیال نے انکل آئی جی ہدایت اللہ خان سے فون پر رابطہ کیا۔ پھر کہا۔ "وہ دن آگیا ہے، جس کا مجھے انتظار تھا۔ نازاں ہولی کراس اسپتال میں ہے۔ ماں بننے والی ہے۔ آپ اپنی کارروائی شروع کریں۔"

ہدایت اللہ خان اب آئی جی پولیس نہیں رہا تھا۔ سلیمان شاہ نے اس کی نوکری کھالی تھی۔ اس کے باوجود پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اس کی عزت تھی اور وہ جانتا تھا کہ نازاں کے سلسلے میں اسے کس طرح پولیس والوں کی

خدمات حاصل کرنا چاہئے۔

لیڈی ڈاکٹر نے نازاں کو کم از کم تین چار گھنٹے ہسپتال میں رہنے کی ہدایت کی تھی۔ لاثانی بیگم نے لیڈی ڈاکٹر سے تنہائی میں کہا۔ "میری بیٹی ابھی کم عمر ہے۔ کمزور بھی ہے۔ اسے اتنی جلدی ماں نہیں بننا چاہئے۔ اگر اسقاط حمل ہو جائے تو میری بیٹی کے حق میں بہتر ہوگا۔"

لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ "تقریباً چار ماہ کا حمل ہے یہ ضائع ہوگا تو آپ کی بیٹی کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ ہم زندگی دیتے ہیں، زندگی لیتے نہیں ہیں۔ ویسے آپ جو چاہتی ہیں، وہ آپ کی بیٹی کے شوہر کو چاہنا چاہئے۔ اسکا شوہر کہاں ہے؟"

"اس کا شوہر دوبئی گیا ہوا ہے؟"

"آپ اس کی غیر موجودگی میں اس کا بچہ کیوں ضائع کرانا چاہتی ہیں۔"

"میں کہہ چکی ہوں، میری بیٹی کم عمر اور کمزور ہے۔"

ایسے وقت ہدایت اللہ خان ایک انسپکٹر اور سپاہیوں کے ساتھ آگیا۔ انسپکٹر نے ڈاکٹر سے پوچھا۔ "کیا یہاں نازاں بنت سلیمان شاہ نام کی کوئی مریضہ ہے؟"

"جی ہاں، یہ نازاں کی والدہ ہیں۔"

"نازاں کو بیماری کیا ہے؟"

"وہ بیمار نہیں ہے۔ ماں بننے والی ہے۔"

"ہمیں ماں بننے والی کی میڈیکل رپورٹ چاہئے۔"

"رپورٹ مل جائے گی لیکن یہ معاملہ کیا ہے؟"

"حدود آرڈیننس کا معاملہ ہے۔ نازاں بنت سلیمان شاہ ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

لاثانی بیگم نے کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ میری بیٹی شادی شدہ ہے۔"

ہدایت اللہ نے اس کے سامنے آ کر پوچھا۔ "مجھے پہچان رہی ہو یا بھول گئی ہو؟ نازاں کی شادی میرے بھتیجے یارسیال سے ہوئی تھی اور یارسیال شادی کی رات حادثے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ یہ آٹھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ آٹھ ماہ کے بعد تمہاری بیٹی کس کے بچے کی ماں بننے والی ہے؟"

"آپ نہیں جانتے، آپ کا بھتیجا مرا نہیں زندہ ہے۔"

"اچھا وہ زندہ ہے اور میں نہیں جانتا۔ تم پولیس والوں کو فریب نہیں دے سکو گی۔ اگر نازاں کے مردہ شوہر کو زندہ کر سکتی ہو تو اسے تھانے یا عدالت میں پیش کرو۔"

لاثانی بیگم پریشانی ہو کر تیزی سے چلتی ہوئی لیڈی ڈاکٹر کے چیمبر سے باہر آئی۔ تاکہ سلیمان شاہ کو پولیس والوں کے بارے میں بتا سکے۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا سلیمان شاہ نے زلیخا کے گھر آنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ حسینہ مقناطیس کی طرح اسے کھینچ رہی تھی۔ وہ ادھر جا چکا تھا۔

لاثانی بیگم کو معلوم نہیں تھا کہ شاہ جی کسی تیسری کے چکر میں کہاں گئے ہیں۔ وہ اپنی بیٹی کے کمرے میں آئی تو پولیس والے وہاں پہنچے ہوئے تھے اور اس سے ہونے والے بچے کے باپ کے بارے میں طرح طرح کے

سوالات کر رہے تھے۔

ہدایت اللہ نے کہا۔ "نازاں! آٹھ ماہ پہلے تم میری بہو بن کر آنے والی تھیں لیکن اسی رات بیوہ ہو گئیں۔ میرا بھتیجا مارا گیا۔ پھر انسپکٹر سے جھوٹ کیوں کہہ رہی ہو کہ وہ زندہ ہے اگر تم پچھلے پانچ ماہ سے اس سے مل رہی ہو تو میرا بھتیجا میرے پاس کیوں نہیں آیا؟ اسے صرف تم نے دیکھا ہے۔ کیا تمہارے والدین نے بھی دیکھا ہے؟"

"نہیں، وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ صرف مجھ سے ملتا رہا تھا۔"

وہ باتوں کے دوران موبائل فون کے ذریعہ بار بار رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ یارسیال نے اپنے فون کی بیٹری نکال دی تھی۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔ "شاید اس کے فون میں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"

انسپکٹر نے کہا۔ "ایک تو تم مردے کو زندہ کہہ رہی ہو۔ تمہاری ماں کہتی ہے، وہ دوبئی گیا ہوا ہے۔ تم کہتی ہو، وہ اسلام آباد میں ہے اور تم سے فون پر رابطہ رہتا ہے لیکن وہ مردہ تمہیں فون پر بھی نہیں مل رہا ہے۔ بہرحال تم اب پولیس کسٹڈی میں ہو۔"

لاثانی بیگم نے نازاں سے فون لے کر سلیمان شاہ سے رابطہ کیا۔ اسے پولیس والوں کے بارے میں بتایا پھر کہا۔ "آپ جلدی آئیں۔ نازاں کو حراست میں لیا جا رہا ہے۔ فوراً اس کی ضمانت کرائیں۔"

ہدایت اللہ نے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تمہیں تھانے لے جا کر

حوالات میں رکھا جائے۔ تمہاری ضمانت ہونے تک تمہیں یہاں نگرانی میں رکھا جائے گا۔ کوشش کرو کہ چند گھنٹوں میں تمہاری ضمانت ہو جائے۔

❑*❑

سلیمان شاہ کی جھوٹی نیک نامی پھر خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اس نے اپنے بندوں سے کہا تھا کہ وہ زلیخا اور اس کی سماجی حیثیت کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کریں۔ وہ خود زلیخا سے ملنے گیا تھا مگر اس حسینہ کو دل بھر کے دیکھنے کی حسرت رہ گئی۔ فون پر معلوم ہوا کہ نازاں پر بدکاری کا الزام لگ رہا ہے۔ پولیس نے اسے حراست میں لیا ہے۔ اگر جلد ضمانت نہ ہوئی تو اتنے بڑے اور معزز جاگیردار کی بیٹی کو حوالات میں پہنچا دیا جائے گا۔

اس نے زلیخا سے معذرت چاہی۔ وعدہ کیا کہ دوسرے دن اس سے ملنے آئے گا۔ پھر وہ ہسپتال کی طرف جاتے ہوئے فون کے ذریعہ اپنے علاقہ کے ایم پی اے اور ایم این اے سے رابطہ کرنے لگا۔ ان سے کہنے لگا کہ نازاں کے خلاف ایف آئی آر درج نہ کرنے دی جائے اور فوراً اسے

ضمانت پر رہا کرایا جائے۔

وہ ہسپتال پہنچا تو نازاں کے کمرے کے اندر اور باہر خاصی بھیڑ تھی۔ پریس والے پہنچ گئے تھے کتنے ہی فوٹو گرافر نازاں، لیڈی ڈاکٹر اور پولیس انسپکٹر کی ایک ساتھ تصویر اتار رہے تھے۔ رپورٹر طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔

سلیمان شاہ وہاں پہنچا تو اس کی بھی تصویریں اتاری جانے لگیں۔ وہ انکار کرتا رہا۔ پریس والوں سے کہتا رہا کہ ابھی اس کی بیٹی کے با[illegible] کوئی خبر نہ بنائی جائے۔ چند رپورٹر سلیمان شاہ کے زر خرید تھے۔ وہ مان گئے۔ باقی سب اپنی من مانی کرتے رہے۔

پھر نازاں کو تھانے لے جایا گیا۔ وہاں اس سے بیان لکھوایا گیا۔ ایک M.N.A نے آ کر اس کی ضمانت لی۔ انسپکٹر نے ایف آئی آر درج کرنے کے بعد ضمانت قبول کی۔ پھر نازاں کو سلیمان شاہ کے ساتھ جانے دیا۔

اس رات سلیمان شاہ کی کوٹھی میں ماتمی خاموشی چھائی رہی۔ چند گھنٹوں میں یہ خبر دوستوں اور دشمنوں تک پھیل گئی کہ شاہ جی کی بیٹی کو بدکاری کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ آٹھ ماہ سے بیوہ تھی۔ دوسری شادی نہیں کی تھی۔ اس کے باوجود ماں بننے والی تھی۔

لاثانی بیگم نے کہا۔ "اس کمبخت کو داماد تسلیم کرنا ہوگا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

سلیمان شاہ نے کہا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں! حالات مجبور کر رہے

ہیں۔ ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ نازاں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہے اور جائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔"

"فون کے ذریعہ اس سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے۔ نازاں ہر دس پندرہ منٹ کے بعد رابطے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نازاں کس طرح اس کی بیوی بن کر رہتی ہے؟ اپنے شوہر کا پتہ ٹھکانہ نہیں جانتی ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ وہ مر چکا ہے۔ اس کا انکل آئی جی بھی اسکی موت کی تصدیق کر رہا ہے۔ وہ زندہ ہوتا تو بیوی کو مصیبت میں دیکھ کر دوڑا چلا آتا۔"

نازاں نے چونک کر کہا۔ "میری ملازمہ زینت اسے جانتی ہے۔ میں ابھی اسلام آباد اس کے پاس جاؤں گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اپنا سفری بیگ لینے بیڈ روم میں چلی گئی۔ سلیمان شاہ نے لاثانی سے کہا۔ "تم ظفر کو لے کر نازاں کے ساتھ جاؤ۔ ہم میں سے کسی کو آنکھوں سے یہ دیکھنا چاہئے کہ واقعی یارسیال زندہ ہے یا نہیں؟"

لاثانی بیگم اور ظفر، نازاں کے ساتھ اسلام آباد چلے گئے۔ سلیمان شاہ کے لئے یہ بڑے شرم کی بات تھی کہ جوان بیٹی بدکار کہلا رہی تھی۔ وہ بدکاری کے الزام کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن بدنامی کو پر لگ گئے تھے۔ صبح کے تمام اخبارات میں نمایاں طور پر نازاں کی تصویر کے ساتھ اس کی بدکاری کی خبر شائع ہوئی تھی اور لکھا گیا تھا کہ پہلے بڑے بیٹے پر بدکاری کا مقدمہ چلتا رہا۔ وہ سزا سے بچنے کے لئے فرار ہو رہا تھا پولیس کی فائرنگ کے

نتیجے میں مارا گیا۔ اس کے دو دن بعد ہی انکشاف ہوا کہ دوسری جوان بیٹی بھی بدکار ہے اور ایک ناجائز بچے کی ماں بننے والی ہے۔

سلیمان شاہ کی ایسی توہین پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ منہ چھپانے کے لئے اپنی جاگیر کی ایک آبائی حویلی میں چلا گیا۔ اس کا مقصد دنیا والوں سے منہ چھپانا بھی تھا اور تیسری کو اپنی زندگی میں لانا بھی تھا۔

لاثانی بیگم اپنی بیٹی کو بے گناہ ثابت کرنے کی تگ و دو میں تھی اور شہناز بیگم اپنی سوکن پر کیچڑ اچھالنے کے لئے نازاں کو بدکار ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ اس افراتفری میں کسی رکاوٹ کے بغیر تیسری لائی جا سکتی تھی۔ ایسے وقت دونوں سابقہ بیویاں اس پرانی حویلی کا رخ نہ کرتیں۔ پہلے رازداری سے نکاح پڑھا لیا جاتا۔ بعد میں تیسری بیوی کی آمد کا اعلان کیا جاتا۔

انکل آئی جی سابقہ پولیس افسر تھا۔ سلیمان شاہ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا یہ خوب جانتا تھا کہ مطلوبہ افراد کی کس طرح نگرانی کرنا چاہئے۔

سلیمان شاہ نے مختلف ذرائع سے معلوم کیا تھا کہ زلیخا کا تعلق ایک معزز گھرانے سے ہے۔ وہ جب پیدا ہوئی تب سے والدین اس کی پرورش توجہ سے کرتے رہے۔ وہ محلے پڑوس کی عورتوں سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتی تھی اور دینی کتب کا مطالعہ کیا کرتی تھی۔

نکاح کے وقت سلیمان شاہ کا وکیل، منتظم اعلیٰ عبور خان اور چند ہمراز معزز افراد تھے۔ زلیخا کے والدین نے بھی چند خاص رشتے داروں کو مدعو کیا

تھا۔ نکاح کے بعد سلیمان شاہ تیسری دلہن کو لے کر اپنی پرانی حویلی میں چلا گیا۔

جب قاضی صاحب نکاح پڑھا کر اپنے گھر جانے لگے تو انکل آئی جی اور پولیس انسپکٹر نے انہیں راستے میں روک لیا۔ اس سے نکاح نامہ لے کر اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں حاصل کیں پھر وہ اخبارات کے دفاتر کی طرف چلے گئے۔

سلیمان شاہ کی خواب گاہ میں زلیخا دلہن بنی بیٹھی تھی۔ وہ دولہا بن کر آیا۔ وہ اپنی جوانی سے بڑھاپے تک بار بار دولہا بنتا آ رہا تھا لیکن ہر بار پرانی بیوی نئی دلہن بن کر آئی تھی۔ ایک طویل مدت کے بعد اسے ایک نئی دلہن نصیب ہوئی تھی۔ اس نے گھونگھٹ اٹھا کر زلیخا کو دیکھا۔ پھر خوش ہو کر بولا۔ "یوسف اور زلیخا کے حسن کا ذکر پڑھا تھا۔ آج آنکھوں سے حسن زلیخا دیکھ رہا ہوں۔"

اس نے پیار و محبت کی باتیں کرتے ہوئے لائٹ آف کر دی۔ زلیخا کو اندھیرے میں دریافت کرنے لگا۔ لیکن تھوڑی دیر میں ہی پریشان ہو گیا۔ اسے لاثانی بیگم کی باتیں یاد آنے لگیں۔ لاثانی نے سلیمان شاہ سے کہا تھا۔ "جو شخص غلط ہوتا ہے، اس کا انتخاب بھی غلط ہوتا ہے۔ تم جب بھی تیسری لاؤ گے، وہ ہم سے بھی گئی گزری ہوگی کیونکہ بہترین انتخاب، بہترین ذہانت اور دیانت داری سے ہوتا ہے۔"

اور اب سلیمان شاہ اپنی بوڑھی سہاگ رات کے اندھیرے میں جوان

دلہن کو تھام کر پوچھ رہا تھا۔ "تم کون ہو؟ نہیں۔ نہیں میرا انتخاب غلط نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو تمہیں خوب سے خوب تر پایا تھا۔"

وہ تاریکی میں بولی۔ "میں خوب تر ہوں۔ تم نے میرے حسن و شباب کو دیکھا۔ بوڑھا شخص، جوانی کی ظاہری چمک دمک سے متاثر ہوتا ہے۔ تم نے بھی میرا ظاہر دیکھا لیکن یہ معلوم نہیں کیا کہ میری تربیت ایک خاص انداز میں کیوں ہوئی ہے۔

میں جب پیدا ہوئی تو میری کوئی شناخت نہیں تھی۔ نہ میں لڑکا تھی اور نہ لڑکی، قدرتی طور پر تیسری مخلوق تھی۔ مجھ جیسی مخلوق کو عام طور پر سدا سہاگن کہا جاتا ہے۔"

بوڑھی سہاگ رات کی تاریکی میں سلیمان شاہ نے دونوں ہاتھوں سے سر کر تھام لیا۔ اس بوڑھے نے تیسری کا انتخاب کرتے وقت صرف اپنی ہوس کو ترجیح دی تھی۔ زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کیا تھا۔ ایسے میں ظاہر ہے، جو چیز بھی حاصل ہوتی، وہ تمام پہلوؤں سے مکمل نہ ہوتی۔ وہ زلیخا بھی مکمل نہیں تھی۔ سدا سہاگن تھی۔

دوسرے دن کے اخبارات نے سلیمان شاہ کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔ جو نکاح رازداری سے کیا گیا تھا۔ اس کے نکاح نامہ کا عکس شائع ہو گیا تھا۔ مختصر طور پر سلیمان شاہ کی پچھلی تمام شادیوں اور طلاقوں کی رپورٹ شائع کی گئی تھی۔ انکل آئی جی ہدایت اللہ نے دعویٰ کیا تھا کہ شاہ جی کی جو بیویاں طلاق لینے کے بعد حلال بننے کے لئے دوسری شادیاں کرتی

تھیں، دوسری شادی سے پہلے دوسرے عارضی خاوند سے طلاق نامہ لکھوا لیتی تھیں۔ اس طرح ایک تو مذہبی قانون کا مذاق بنا دیتی تھیں۔ دوسرا یہ کہ حلال بننے کے لئے جو نکاح ہوتا تھا، وہ ناجائز ہوتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں وہ سابقہ بیویاں حلالہ کے مرحلے سے گزرے بغیر سلیمان شاہ کے نکاح میں آ جاتی تھیں۔

انکل آئی جی نے ایسے تمام عارضی شوہروں کو گرفتار کرایا تھا۔ ان سے بیانات لئے تھے۔ انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان لکھا کہ سلیمان شاہ نے کتنی بار لاثانی بیگم کو اور کتنی بار شہناز بیگم کو طلاق دینے کے بعد بار بار شادیاں کیں۔ عارضی شوہروں نے جھوٹے طلاق نامے لکھے تھے، ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں پیش کیں۔ اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ فراڈ طلاق ناموں اور فراڈ نکاح ناموں کے ذریعہ وہ بیویاں جاگیر پر حکمرانی کرتی رہیں اور سلیمان شاہ ان کے ساتھ ناجائز ازدواجی زندگی گزارتا رہا۔

یعنی اب تک گناہ کرتا رہا تھا۔ اور اب تک اس کی جتنی اولادیں پیدا ہوتی رہی تھیں، وہ سب گناہوں کی پیداوار تھیں اور یہ تمام اعمال حدود آرڈیننس کی زد میں آ رہے تھے۔

پہلے بیٹے پر حد لگی۔ پھر بیٹی پر اور اب باپ پر لگ رہی تھی۔ چونکہ برسوں سے شرمناک تعلقات جاری تھے اور ناجائز اولادیں پیدا ہوتی جاری تھیں اس لئے سلیمان شاہ پرانا پاپی تھا۔ اس کے گناہوں کی ایک طویل فہرست قانون کے محافظوں تک پہنچ گئی تھی۔ اور اب وہ وسیع ذرائع کے

باوجود سزا سے نہیں بچ سکتا تھا۔

❑*❑

چاند روشن تھا۔ رات اندھیری نہیں تھی۔ مگر کوٹھی میں اندھیرا تھا۔ ڈائننگ روم میں ایک زیرو پاور کا بلب روشن تھا۔ اس کی نیم تاریک روشنی میں باپ بیٹی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے تھے۔ گناہگاروں کی طرح ان دونوں کے سر جھکے ہوئے تھے۔

بیٹی نے دھیمی آواز میں کہا۔ "میں خوابوں اور خیالوں میں رہی۔ وہ میرا ہو کر بھی مجھے خوابوں سے باہر نہیں ملا۔ میں ہوش میں رہ کر اسے دیکھنے کو ترستی رہی۔ آہ! میں نے کیسی ادھوری ازدواجی زندگی گزاری ہے۔ ایسے ازدواجی رشتے کے نتیجے میں مجھے ایک ایسا بچہ مل رہا ہے، جو گناہ کا ثمر کہلا رہا ہے اور یہ بچہ مجھے ایک بدکار ماں ثابت کر رہا ہے۔ میں ایسی ذلت اور رسوائیاں برداشت کرنے کے لئے زندہ نہیں رہوں گی۔"

باپ نے بڑبڑانے کے انداز میں زیر لب کہا۔ "تمہارے جیسے بزرگوں سے خرابیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اولادوں اور ان کی اولادوں تک جاری رہتا ہے۔ میں آخری کوشش بھی کر چکا ہوں اور اپنے بچاؤ میں ناکام ہوگیا ہوں۔ حدود کے قوانین کے مطابق مجھے بڑی ذلت آمیز سزا ملے گی۔ اور میں اپنی ذلت اور توہین برداشت نہیں کروں گا۔ آج مجھے موت بہت آسان نظر آرہی ہے۔

میں عدالت میں نہیں جاؤں گا۔ لوگوں کی حقارت آمیز اور طنزیہ نظریں ناقابل برداشت ہوں گی۔

اور اپنے خاندان میں اپنے کس بچے سے نظریں ملاؤں ؟ تم میں سے جو بچہ بھی میرا ہے' وہ ناجائز ازدواجی تعلقات کا نتیجہ ہے۔ آہ! تم میری لاڈلی بیٹی ہو' میں تم سے بھی نظریں نہیں ملا رہا ہوں۔

اب مجھے چھپ جانا چاہئے' دنیا والوں سے بھی اور اپنی اولاد کی نظروں سے بھی......" وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس سے نظریں چرا کر بولا۔ "مجھے معافی نہیں ملے گی۔ نہ دنیا میں' نہ عاقبت میں۔ اس لئے میں تم سے بھی معافی نہیں مانگوں گا۔ میرا وقت آگیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔"

وہ اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگا۔

بیٹی نے تلخ مسکراتی ہوئی نظروں سے باپ کو دیکھا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے ایک پڑیا نکالی۔ ایک جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا۔ پھر پڑیا کے سفوف کو گلاس کے پانی میں ڈال

دیا۔ اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ "آہ! میرے یار! تم مرد میدان رہے۔ سب ہی کا احتساب بھی کیا۔ سزائیں بھی دے رہے ہو۔ ایسے سخت محتسب ہو کہ اپنی معشوق کو بھی معاف نہیں کر رہے ہو۔

تم نے مجھے بہت خوبصورت تحفہ دیا ہے۔ وہ میرے پیٹ میں پرورش پا رہا ہے۔ یہ ایک مردہ باپ کی زندہ اولاد کہلائے گا اور دنیا والوں کو جواب نہیں دے سکے گا کہ اس کا باپ مردہ تھا' تو وہ کیسے پیدا ہوگیا؟

میں اپنے بچے کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔ شرمندہ ہونے سے پہلے ہی میں اسے اپنے ساتھ دنیا سے لے جا رہی ہوں....."

اس نے گلاس کو اٹھایا۔ وہ زندگی کا آخری شربت تھا۔ اس کے بعد دنیاوی مسائل سے نجات مل جاتی لیکن وہ آخری جام لبوں تک نہ آسکا۔ ایک مضبوط ہاتھ نے گلاس والے ہاتھ کو تھام لیا۔

اس نے دیکھا۔ پھر ایک دم سے چونک گئی۔ نگاہوں کے سامنے یار سیال تھا! اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر میز پر ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ پہلی بار ہوش و حواس میں رہ کر اسے دیکھ رہی تھی اور یقین کرنا چاہتی تھی کہ واقعی اسے دیکھ رہی ہے۔

وہ بولا۔ "تمہاری سزا کی مدت اتنی ہی تھی۔ یہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ میں وعدہ کے مطابق تمہیں ہوش و حواس کے وقت مل رہا ہوں۔

نازاں تڑپ کر اس سے لپٹ گئی۔ مارے خوشی کے رونے لگی۔

اور تب......

اور تب دور بیڈروم سے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

ختم شد

786khanather@gmail.com
khanather27@yahoo.co.in